Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

•جلد/7 •شمارہ/11 •جولائی/2017

ایٹمی قوت اور ایمانی قوت

WWW.BAITUSSALAM.ORG

pg02
arabian
01

زیرسرپرستی

عبدالستار

فہم و فکر

ایٹمی قوت اور ایمانی قوت	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

خطابِ اقبال بہ نوجوانانِ امت	ڈاکٹر نوید جمیل ملک	10
دُنیا	شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ	12
امن عالم کا واحد نسخہ اہل علم کی قیادت	محمد کاشف تبسم	14
آپ کتنے فی صد انسان ہیں؟	ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی	16
پُراسرار انٹرویو	زبیر فرید	18
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	20
باورچی خانہ اور ہماری صحت	حکیم شمیم احمد	22

خواتینِ اسلام

اسلام کی باہمت خواتین	اہلیہ محمد فیصل	25
ناظر کی دُعا	کائنات عبد الحسیب	26
شام کے آنسو	بنتِ محمود	28
ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں	نبیہاندا	31
باپ کا بیٹی کے نام خط	محمد دانش	33

باغیچہ اطفال

غبیر کے غبارے	ڈاکٹر الماس روحی	36
ننھے ادیب		38
بچوں کے فن پارے		39
انعامات ہی انعامات	ادارہ	40

بزمِ ادب

حج کا سفر	جوہر عباد	42
ختم نبوت	محمد اُسامہ سرسری	43
گلدستہ	ادارہ	44

اخبار السلام

خبرنامہ	ادارہ	46

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

کراچی

جولائی 2017ء

مدیر	محمد خرم شہزاد
ناظم	خالد عبدالرشید
کمپوزنگ	مظفر [illegible]
نظرثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	نوید فرید

آراء و تجاویز کے لیے

0304-0125750 | 0333-4573885

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

0314-2981344 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0332-8278537

marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت و بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے

C-26 گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ:	40 روپے
اندرون کراچی سالانہ (بذریعہ کوریئر):	520 روپے
بیرون کراچی سالانہ (بذریعہ رجسٹری):	520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک	35 ڈالر

ناشر | مطبع | مقام اشاعت: دفتر فہم دین

مدیر کے قلم سے

ایٹمی قوت اور ایمانی قوت

آج کی دُنیا میں ملکوں کی حفاظت اور بقا عام طور پر ایٹم بم بنانے میں سمجھی جاتی ہے، جو ملک ایٹمی قوت حاصل کرنے میں کام یاب ہو جاتا ہے، اسے ناقابلِ تسخیر سمجھ لیا جاتا ہے یا کم از کم اپنے تئیں وہ اپنے آپ کو ایک محفوظ حصار میں سمجھنے لگتا ہے۔ پاکستان بھی الحمد للہ ایٹمی قوت ہے اور ہمارے ہمسایہ ملک کے پاس تو نہ صرف یہ کہ ایٹم بم موجود ہے، بل کہ دنیا کی سپر پاور کی بے جا تھپکیاں اور حملہ کرنے کا اصرار بھی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ گیدڑ بھبھکیوں سے آگے نہیں بڑھ پارہا۔ خود اگر ہم اپنی طرف نظر دوڑائیں تو ہم 1998 میں ایٹمی قوت بنے ہیں، لیکن 1965 میں تو ہمارے پاس یہ قوت نہیں تھی، پھر کیسے افلاس کے دلدل میں لٹے پٹے ملک کے ساتھ ہم نے یہ جنگ جیت لی!!! پھر نائن الیون کے بعد سے آپ نے ہاتھی اور چیونٹی کی لڑائی تو دیکھ ہی لی۔ ایک طرف ایٹمی پاور ہے جو اپنی بڑائی کے نشے میں چور ہر ایک کو روندنے کی ٹھانے ہوئے ہے اور دوسری طرف ''پتھر کے دور'' میں بسنے والے نہتے لوگ۔ اتنی بات تو اظہر من الشمس ہے کہ اُن کے پاس ایٹمی قوت تو کجا، کسی قسم کی قابلِ شمار کوئی مادی قوت تھی ہی نہیں، لیکن کیا یہ بات بھی درست ہے کہ واقعی وہ ہر قسم کی قوت سے محروم تھے؟ نہیں، ایسا نہیں ہے، بل کہ اُن کے پاس کوئی غیر مرئی قوت موجود تھی، جو اُن کے حوصلے پست نہیں ہونے دے رہی تھی، اُن کے اندر کوئی ایسی ناقابلِ تسخیر روح موجود تھی، جو انہیں اس پاور کے سامنے جھکنے نہیں دے رہی تھی، جس کے سامنے مادیت اور معیشت پر یقین رکھنے والے ماتھے ٹیکتے اور تلوے چاٹتے نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ایک قدم آگے بڑھ کر عرض کروں کہ شاید اُن کا تعلق پاوروں کی پاور سے ہے، جس کے حکم سے سونامی آتے ہیں، جس کے اشارے سے آتش فشاں ابلتے ہیں، جس کے کہنے سے پوری کی پوری بستیاں زمین بوس ہو جاتی ہیں اور وہ خالقِ کائنات کی پاور ہے، وہ رب العالمین کی پاور ہے، جو حقیقت میں اس کائنات کی واحد سپر پاور ہے۔

آپ اسلامی ممالک میں سے ترکی اور پاکستان کی حکومتوں کا بھی تقابل کریں گے تو آپ کو یہی بات سمجھ میں آئے گی کہ ایک طرف ایٹمی قوت ہے، لیکن پھر بھی بعض عالمی پلیٹ فارمز پر اپنا مؤقف ڈٹ کر بیان نہیں کر سکتے۔ سب سے بڑا مسئلہ تو کشمیر کا مسئلہ ہے، ڈاکٹر عافیہ کا معاملہ دیکھ لیں۔ کلبھوشن کیس میں بھی کچھ اسی قسم کی صورتِ حال ہے اور دوسری طرف ترکی کا مردِ قلندر ہے، ایٹمی قوت سے محروم ہے، لیکن ایمانی قوت سے معمور ہے، اس نے شام کے لیے نہ صرف یہ کہ اپنی سرحدیں کھول دیں، بل کہ انھیں ''معزز مہمان'' کا لقب دیا۔ اب آپ قطر کا معاملہ بھی دیکھ لیں۔ اگر آپ اسے مادیت اور مفادات کی عینک لگا کر دیکھیں گے تو ویسا ہی ہونا چاہیے تھا، جیسے چند عرب ممالک نے کیا، لیکن ترکی کے مردِ قلندر کے پاس تو ''کلمہ طیبہ کی مبارک چھلنی'' ہے، جس سے وہ کھرے کھوٹے کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے اور ''امتِ محمدیہ کی مقدس لڑی'' ہے، جس میں پروئے ہر دانے کو وہ اپنا اسلامی بھائی سمجھتا ہے اور اسی نقطۂ نظر سے اس نے یہ جملہ بار بار سعودی عرب سے کہا کہ ''وہ خطے میں بڑے بھائی کا کردار ادا کرے'' اور الحمد للہ یہ معاملہ بہت حد تک کنٹرول ہو چکا ہے۔ اس سارے پس منظر سے اتنی بات تو واضح ہو گئی کہ اسباب کے درجے میں ایٹمی قوت کی ضرورت کا انکار نہیں، لیکن ایمانی قوت کے بغیر دُنیا کا کوئی بھی ملک ناقابلِ تسخیر نہیں بن سکتا۔

قارئینِ گرامی! اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ایٹمی قوت کے حصول کے لیے تو اٹامک پلانٹ لگائے جاتے ہیں، ایمانی قوت کہاں پر تیار ہوتی ہے؟ اس کے لیے دو چیزیں ہیں۔ ایک تو مدارس ہیں، جو زمین پر ایمان کے مراکز ہیں۔ ہماری فوج اگر مضبوط اعصاب والے مردِ آہنی تیار کرتی ہے تو ہمارے مدارس مضبوط دماغ والے مردِ ایمانی تیار کرتے ہیں۔ پاک فوج اور اہلِ علم کی یہ مبارک جماعتیں ہی مل کر پاکستان کے دِفاع کو ناقابلِ تسخیر بنا دیتی ہیں۔ دوسری چیز جسے آپ ایمان کی سالانہ اوور ہالنگ اور سروس کہہ سکتے ہیں، وہ رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ ہے، جس میں قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت، تراویح اور تہجد میں قیام اللیل، سحر و افطار میں آہ و زاری والی دعائیں، اپنے گناہوں پر رو رو کر استغفار، جنت کا شوق اور جہنم کا خوف ایک مسلمان کو ایمانی قوت سے لب ریز کر دیتی ہے اور جس آدمی کو یہ قوت مل جائے اسے دنیا کی بھلائی بھی مل جاتی ہے اور آخرت کی بھی، اس قوت کے بعد پھر دُنیا کی ہر طاقت اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے۔ رمضان گزر چکا ہے، ایمانی قوت بھی کسی نہ کسی درجے میں ہر ایک کو حاصل ہو چکی ہے، اب اسے محفوظ رکھنے اور آگے بڑھانے کی ضرورت ہے اور اس کا طریقہ وہی ہے جو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب میرا دِل چاہتا ہے کہ میں اللہ سے بات کروں تو میں نماز میں کھڑا ہو جاتا ہوں اور جب میرا دِل چاہتا ہے کہ میں اللہ کی باتیں سنوں تو میں قرآن پڑھنے لگتا ہوں۔ جب تک ان دو چیزوں کو ہم لازم پکڑے رکھیں گے، دُنیا کی کوئی طاقت ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

آلِ عمران: 35-39

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ 35

ترجمہ: (چناں چہ اللہ کے دعا سننے کا واقعہ یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا تھا کہ: ''یارب! میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے' میں اسے ہر کام سے آزاد کر کے تیرے لیے وقف رکھوں گی۔ میری اس نذر کو قبول فرما۔ بے شک تُو سننے والا ہے' ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔'' 35

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ 36

ترجمہ: پھر جب ان سے لڑکی پیدا ہوئی تو وہ (حسرت سے) کہنے لگیں: ''یارب! یہ تو مجھ سے لڑکی پیدا ہو گئی ہے۔'' حالاں کہ اللہ کو خوب علم تھا کہ ان کے یہاں کیا پیدا ہوا ہے ''اور لڑکا' لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔ میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے حفاظت کے لیے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔'' 36

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ 37

ترجمہ: چناں چہ اس کے رب نے اس (مریم) کو بطریقِ احسن قبول کیا اور اسے بہترین طریقے سے پروان چڑھایا اور زکریا اس کے سرپرست بنے۔[1] جب بھی زکریا ان کے پاس ان کی عبادت گاہ میں جاتے' ان کے پاس کوئی رزق پاتے۔ انھوں نے پوچھا: ''مریم! تمھارے پاس یہ چیزیں کہاں سے آئیں؟'' وہ بولیں: ''اللہ کے پاس سے۔'' اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ 37

تشریح نمبر1: حضرت عمران بیت المقدس کے امام تھے۔ ان کی اہلیہ کا نام حنّہ تھا۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی' اس لیے انھوں نے نذر مانی تھی کہ اگر ان کے کوئی اولاد ہو گی تو وہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی۔ جب حضرت مریم علیہ السلام پیدا ہوئیں تو حضرت عمران کا انتقال ہو گیا۔ حنّہ کے بہنوئی زکریا علیہ السلام تھے' جو حضرت مریم علیہ السلام کے خالو ہوئے۔ حضرت مریم علیہ السلام کی سرپرستی کا مسئلہ پیدا ہوا تو قرعہ اندازی کے ذریعے اس کا فیصلہ کیا گیا اور قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا' جس کا ذکر آگے اسی سورت کی آیت نمبر 44 میں آرہا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ 38

ترجمہ: اس موقع پر زکریاؑ نے اپنے رب سے دُعا کی' کہنے لگے: یارب! مجھے خاص اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما دے۔ بے شک تو دُعا کا سننے والا ہے۔[2] 38

تشریح نمبر2: حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بے موسم کے پھل آیا کرتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دیکھا تو انھیں توجہ ہوئی کہ جو خدا انھیں بے موسم کے پھل دیتا ہے' وہ مجھے اس بڑھاپے میں اولاد بھی دے سکتا ہے' چناں چہ انھوں نے یہ دعا مانگی۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ 39

ترجمہ: چناں چہ ایک دِن جب زکریا عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے' فرشتوں نے انھیں آواز دی کہ: ''اللہ آپ کو یحیٰؑ کی پیدائش کی خوش خبری دیتا ہے' جو اس شان سے پیدا ہوں گے کہ اللہ کے ایک کلمے کی تصدیق کریں گے[3]' لوگوں کے پیشوا ہوں گے' اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے مکمل طور پر روکے ہوئے ہوں گے[4] اور نبی ہوں گے اور اُن کا شمار راست بازوں میں ہوگا۔'' 39

تشریح نمبر3: ''اللہ کے کلمے سے مراد حضرت عیسی علیہ السلام ہیں' جیسا کہ اس سورت کے شروع میں اُوپر واضح کیا گیا ہے۔ انھیں کلمتہ اللہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ باپ کے بغیر اللہ کے کلمہ ''کن'' سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام ان سے پہلے پیدا ہوئے اور انھوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کی آمد کی تصدیق فرمائی۔

تشریح نمبر4: حضرت یحیٰ علیہ السلام کی یہ خاص صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات پر پورا قابو رکھنے والے ہوں گے۔ یہ صفت اگرچہ تمام انبیا علیہم السلام میں پائی جاتی ہے' لیکن اُن کا خاص طور سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس درجہ مشغول رہتے تھے کہ ان کو نکاح کرنے کی طرف رغبت نہیں ہوئی۔ اگرچہ عام حالات میں نکاح سنت ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے' لیکن اگر کوئی شخص اپنے نفس پر اتنا قابو یافتہ ہو' جیسے حضرت یحیٰ علیہ السلام تھے تو اس کے لیے کنوارا رہنا بلا کراہت جائز ہے۔

فہمِ حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ

عَنۡ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ سَلَّمَ اِنَّ مِنۡ عِبَادِ اللّٰہِ لَاُنَاسًا مَا هُمۡ بِاَنۡبِیَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ یَغۡبِطُهُمُ الۡاَنۡبِیَاءُ وَ الشُّهَدَاءُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ بِمَكَانِهِمۡ مِنَ اللّٰہِ قَالُوۡا یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ تُخۡبِرُنَا مَنۡ هُمۡ؟ قَالَ هُمۡ قَوۡمٌ تَحَابُّوۡا بِرُوۡحِ اللّٰہِ عَلٰی غَیۡرِ اَرۡحَامٍ بَیۡنَهُمۡ وَ اَمۡوَالٍ یَتَعَاطَوۡنَهَا فَوَاللّٰہِ اِنَّ وُجُوۡهَهُمۡ لَنُوۡرٌ وَاِنَّهُمۡ لَعَلٰی نُوۡرٍ لَا یَخَافُوۡنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحۡزَنُوۡنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَءَ هٰذِهِ الۡاٰیَةَ اَلَا اِنَّ اَوۡلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ (رواہ ابوداود)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں، جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں، لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیا اور شہدا ان کے خاص مقامِ قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں بتلا دیجیے کہ وہ کون بندے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ وہ ہیں جنھوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے اور بغیر کسی مالی لین دین کے روح خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کی۔ پس قسم ہے خدا کی! ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے، بل کہ سراسر نورانی ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے اور عام انسانوں کو جس وقت خوف وہراس ہوگا، اُس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہوں گے اور جس وقت عام انسان غم میں مبتلا ہوں گے، وہ اس وقت بے غم ہوں گے اور اس موقع پر آپ نے یہ آیت پڑھی: اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ (معلوم ہونا چاہیے کہ جو اللہ کے دوست اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں، ان کو خوف و غم نہ ہوگا۔) (سنن ابی داوٗد)

تشریح... اس دنیا میں خونی رشتہ اور قرابت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے، جو انسانوں کے علاوہ عام جانوروں، بل کہ درندوں میں بھی موجود ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے، اس کو ہدیے اور تحفے دیتا ہے تو اُس میں اُس محسن کی محبت پیدا ہو جانا، بھی ایک ایسی فطری بات ہے، جو کافروں، مشرکوں اور فاسقوں فاجروں میں بھی پائی جاتی ہے، لیکن کسی رشتے اور قرابت کے بغیر اور کسی مالی دین دین اور ہدیے اور تحفے کے بغیر محض اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے، جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص محبوب و مقرب بن جاتا ہے اور قیامت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نوازشیں ہوں گی کہ انبیا اور شہدا اس پر رشک کریں گے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ اس درجہ اور مرتبہ میں انبیا و شہدا سے افضل اور بلند تر ہوں گے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کم درجے کے کسی آدمی کو کسی خاص اچھی حالت میں دیکھ کر اس سے اونچے درجے والوں کو بھی اس پر رشک آنے لگتا ہے۔ یہ بات عقل و منطق کے لحاظ سے اگرچہ بہت سوں کو مستبعد معلوم ہوگی، لیکن واقعات کی دنیا میں بکثرت ایسا ہوتا رہتا ہے، اس لیے جو کچھ کہا گیا ہے یہ زبردستی کی تاویل نہیں ہے، بل کہ واقعی حقیقت ہے۔

یہ بندگانِ خدا، جن کا مقامِ قرب پر انبیا و شہدا کو رشک آئے گا۔ حدیث میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے: هُمۡ قَوۡمٌ تَحَابُّوۡا بِرُوۡحِ اللّٰہِ اس لفظ 'روح' کو 'ر' کے پیش کے ساتھ 'رُوح' بھی پڑھا گیا ہے اور زبر کے ساتھ 'رَوح' بھی۔ ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں اس سے اللہ کا دین مراد ہے اور مطلب یہی ہے کہ یہ وہ بندگانِ خدا ہوں گے، جنھوں نے اس دنیوی زندگی میں اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت و اُلفت رکھی۔ دین اس اُخروی زندگی کے لیے جو اصل زندگی ہے بمنزلہ رُوح کے بھی ہے اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور رحمت بھی ہے۔

حدیث کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنے والے ان بندگانِ خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص الخاص انعام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن، جب کہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہوا ہوگا تو ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہ ہوگا اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے شاداں و فرحاں ہوں گے۔ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔

pg07 burger-shack 02

سب سے بڑی دولت

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

سعادت مند انسان: ایمان اس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو تو وہ دنیا کا سعادت مند انسان ہے۔ جس خوش نصیب کے پاس ایمان کی دولت ہو اور اس پر اسے موت آجائے تو اس کے نصیب بہت اچھے ہیں۔ اس کی قسمت بہت بڑھیا ہے۔ یہ ایمان ایسی چیز ہے کہ قدر ہو تو رہتی ہے، قدر نہ ہو تو (بالکل) نہیں رہتی۔ اللہ اس معاملے میں بہت غیرت مند ہے، جو اللہ کے دشمن بھی ہیں، جن سے اللہ ناراض بھی ہے، دنیا اللہ انہیں بھی دے دیتا ہے، حسن بھی دے دیتا ہے۔ ابولہب کے پاس حسن تھا۔ زمینیں جاگیریں بھی دیتا ہے، اللہ کے دشمن ولید بن مغیرہ کے پاس زمینیں، جاگیریں تھیں۔ وزارت اور اقتدار بھی دے دیتا ہے، ہامان اور فرعون کے پاس یہ چیزیں بھی تھیں۔ دولت کے ڈھیر بھی دے دیتا ہے۔ قارون کے پاس خزانہ تھا۔ یہ ساری چیزیں اللہ اپنے دشمن کو بھی دے دیتا ہے۔ ابولہب چچا ہیں، سردار ہیں، اللہ کے حبیب کے رشتے دار ہیں، لیکن ایمان کی قدر نہیں تھی تو محروم رہے۔

بڑی دولت بڑا نصیب: حضرت سلمان فارس سے طالب بن کر آئے۔ ایمان کی دولت لے گئے۔ بلال حبشہ سے آئے، نہ رشتہ، نہ خاندان، نہ قبیلہ، نہ قریشی، نہ ذات۔ غلامیت کا داغ ہی داغ ہے۔ فروخت ہوتے آرہے ہیں، لیکن ایمان کی دولت کی عظمت ہے، قدر ہے، اتنے اونچے ہوئے اتنے اونچے ہوئے کہ پیارے رسول ﷺ جب معراج کی شب آسمانوں پر گئے، جنت کا مشاہدہ کیا، واپس آکے کہنے لگے: ”بلال کیا کرتے ہو؟ ہم تمہارے قدموں کی آہٹ جنت میں اپنے آگے سن رہے تھے۔“ ایمان بڑی دولت ہے۔ یہ غلاموں کو سردار بنا دیتی ہے اور جس کے پاس یہ نہیں، وہ سردار زیرو ہو جایا کرتے ہیں، لیکن یہ دولت قدر دانوں کے ہاں رہتی ہے۔ ناقدروں کے پاس نہیں رہتی۔

ایمان کی قدر: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بہت بڑی زندگی کی داستان ہجرت ہے۔ منڈیاں ہیں، کاروبار ہیں، اپنی رہائشیں ہیں، اپنے گھر بار ہیں، خاندان ہیں، رشتے دار ہیں، اپنا شہر ہے۔ جب بات ایمان کی حفاظت کی آئی، سب کچھ چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ کہنا آسان ہے، صرف ایک دولت کی خاطر وہ ایمان تھا اور یہ بھی پتا ہے کہ جہاں جارہے ہیں، وہاں گھر نہیں ہوگا، رہائش کوئی نہیں، جاننے والا کوئی نہیں، کاروبار کوئی نہیں، لیکن یہ تسلی ضرور تھی کہ ایمان تو رہے گا نا۔ بس یہ تسلی انہیں اس پر آمادہ کر رہی تھی۔ ایمان کی عظمت سے باخبر تھے۔ ایمان بڑی دولت ہے۔ یہ محفوظ ہو جائے سب خطرے میں آجائیں گھاٹا کوئی نہیں، یہ خطرے میں آجائے، ساری دنیا کے نقشے محفوظ ہو جائیں، مسلمان کے لیے فائدہ کوئی نہیں۔ جب یہ ایمان کی عظمت ایسی ہوتی ہے پھر آدمی ایمان کا مزہ لیتا ہے، بلکہ مزے لیتا ہے۔

ایمان کا مزہ: پیارے رسول ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں جس شخص میں ہوں گی، وہ ایمان کا مزہ لے گا۔ **پہلی چیز:** اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت اس کے ہاں سب سے زیادہ ہو۔ کوئی ناراض ہوتا ہے تو ہوتا رہے، کوئی دور ہوتا ہے تو ہوتا رہے، کوئی

طنز کرتا ہے تو کرتا رہے‘ کوئی تنقید کرتا ہے تو کرتا رہے‘ کوئی نقصان ہوتا ہے تو ہوتا رہے‘ لیکن میرا اللہ اور اللہ کا رسول ناراض نہ ہو‘ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت سب سے بالاتر ہو۔

دوسری چیز: جس سے بھی تعلق اور محبت ہو اللہ کی خاطر ہو‘ اس کے تمام رشتے ناتوں کی بنیاد‘ تعلقات کی بنیاد‘ دوستیوں کی بنیاد‘ محبتوں کی بنیاد اللہ کی ذات ہو۔ یہ اللہ کا ہے اس لیے میرا ہے۔ یہ اللہ کا نہیں اس لیے میرا بھی نہیں۔ یہ اللہ کا بہت پیارا ہے اس لیے میرا بھی پیارا ہے۔ **تیسری چیز:** اس کے لیے کفر میں جانا ایسا ہی گراں ہو‘ ایسی ناگواری اس کے تصور سے محسوس ہو‘ جیسے آگ میں جانے سے تکلیف اور ناگواری ہوتی ہے‘ ایسے ہی کفر میں جانے سے ناگواری ہو۔ خواب میں کوئی شخص آگ کی بھٹی میں گرنے لگے‘ چیخ مار کے اٹھ جاتا ہے‘ یہ خیال ہی اسے آئے کہ میرا بچہ میری بچی میری بیوی میرا گھر میری اولاد میں کفر کی طرف جا رہا ہوں‘ تو چیخ اٹھے یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایمان کی ایسی عظمت‘ جسے نصیب ہے تو پیارے رسول ﷺ نے فرمایا: ”یہ شخص ایمان کا ذائقہ محسوس کرے گا۔“ ایک صحابیؓ ہیں‘ جب ان کے چچا نے اُن سے کہا: ”بھتیجے! ایمان سے دست بردار ہو جاؤ۔“ کہنے لگے: ”چچا ساری دنیا اب چھوٹ سکتی ہے ایمان نہیں چھوٹ سکتا۔“ کہا: ”جانتے ہو اس کی کیا قیمت چکانی ہو گی؟“ کہا: ”ہر قیمت چکانے کے لیے تیار بیٹھا ہوں۔“ کہا: ”بے لباس کر کے نکال دوں گا‘ کوئی ٹھکانہ نہیں ملے گا۔“ کہا ”چچا کچھ بھی کر لے اب ایمان نہیں چھوٹ سکتا۔“

بے قیمت ایمان: پیارے رسول ﷺ نے فرمایا: ”ایک وقت ایسا بھی آئے گا ایمان بھی اتنا بے قیمت ہو جائے گا کہ دنیا کے چند کھوٹے سکوں کے بدلے میں آدمی اپنا ایمان دے دے گا۔“ چند روزہ زندگی بنانے کے لیے بسا اوقات آدمی اپنی اولاد اور نسلوں کو ایسے ماحول کے حوالے کرتا ہے جہاں ایمان کی حفاظت کی کوئی گنجائش نہیں وہ ماحول انہیں ایمان کی حفاظت کی کوئی یقین دہانی نہیں دلاتا جہاں کئی لوگوں کا ایمان اچک لیا جا چکا ہے۔ دنیا کی چند روزہ زندگی کے لیے تو یہ ایمان ایسی دولت ہے اگر قدر نہ ہو تو رہتی بھی نہیں ہے۔ یہ ایسے ہی گرا پڑا سکہ نہیں کہ ہر شخص کو مل جائے اور ہر شخص کے پاس رہے۔ یہ تو قدر دانوں کے ہاں رہتا ہے‘ قدر دانوں کے ہاں بڑھتا ہے‘ ایسا بھی نہیں کہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہو گیا‘ بس ایمان ہی ایمان ہے‘ ایسا نہیں ہے۔

ایمان کی علامت: پیارے رسول ﷺ نے بتلایا ہے: ”اس کی کچھ علامات ہیں انہیں دیکھ لو کہ ہے بھی یا نہیں؟ فرمایا صاحب ایمان سے غلطی اور گناہ ہو جائے تو وہ ایسا بوجھ محسوس کرتا ہے جیسے اس پر پہاڑ آ گیا۔ یہ علامت ہے کہ اس میں ایمان ہے۔“ اور فرمایا: ”منافق غلطی گناہ کر بیٹھے‘ ایسا ہے جیسے ناک پہ مکھی بیٹھی اور اُڑا دی‘ کچھ فرق نہیں پڑتا اُسے۔“ ایمان ہے تو گناہ کا بوجھ محسوس کرتا ہے۔ آدمی کے جسم میں روح ہو تو جسم کے اوپر کوئی بوجھ آئے تو آدمی محسوس کرتا ہے اور جو جسم کا حصہ بے جان ہو جائے‘ شل ہو جائے‘ اس پہ بوجھ آئے تو اس کو پتا ہی نہیں چلتا۔ ایمان کی حقیقت ہے تو گناہ کا بوجھ محسوس ہو گا درد بھی محسوس ہو گا اور تکلیف بھی ہو گی۔ ایمان نہ ہو تو گناہ کی تکلیف بھی نہیں ہوتی‘ بوجھ بھی محسوس نہیں کرے گا۔ جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

ایمان کہاں رہا؟ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا: ”کہ جو شخص اللہ کی نافرمانی دیکھے‘ تو اسے چاہیے اسے اپنے ہاتھ سے روک لے‘ اس کی طاقت نہیں رکھتا‘ تو زبان سے روک لے‘ اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا‘ یعنی ہاتھ بھی استعمال نہیں کر سکتا‘ زبان سے بھی نہیں روک سکتا تو آخری صورت یہ ہے کہ دل کے اندر اس کی بے چینی ہو گناہ ہو رہا ہے‘ میری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے‘ روک نہیں سکتا‘ بے چین ہے تدبیر سوچ رہا ہے فکر مند ہے اس گناہ کو کیسے روکوں؟ فرمایا کہ اگر دل کی کیفیت یہ ہے تب بھی ایمان موجود ہے اور اگر گناہ بھی اس کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے‘ اس کی ناک کے نیچے ہو رہا ہے‘ لیکن ماتھے پہ بل نہیں آتا‘ کان پہ جوں نہیں رینگتی۔ جیسے کوئی بات ہی نہیں ہے تو ایمان کہاں رہا؟

ایمان کی نشانی: ایمان تو اندر کی چھپی چیز ہے نا۔ جیسے زمین کے اندر مٹی کے نیچے جڑیں سرسبز ہوں اور ان جڑوں میں زندگی ہو تو درخت کا تنا بتا دیتا ہے‘ اس میں خوش بو ہوتی ہے۔ اس کی شاخیں بتاتی ہیں اس میں تازگی ہوتی ہے۔ اس کے پتے بتاتے ہیں‘ اس میں تازگی آتی ہے۔ اس پہ پھول کھلتے ہیں۔ اس پہ پھل آتا ہے۔ یہ علامت ہے کہ مٹی میں چھپی جڑوں میں زندگی اور تازگی ہے۔ ایمان اندر چھپا ہے‘ اس کی زندگی بتائے گی کہ ایمان اندر ہے یا نہیں؟ تازہ ہے یا ختم ہو چکا ہے؟ اس کے بدن سے نکلنے والے اعمال اس کے ایمان کی گواہی دیں گے کہ ہے یا نہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر اللہ کی نافرمانی دیکھ کے یہ فکر مند ہے کہ یہ کیسے ختم ہو؟ تو سمجھو ایمان ہے۔

خوب صورت زندگی: ایمان کی تازگی زندگی کو بہت خوب صورت کر دیتی ہے۔ جب دل ایمان سے مضبوط ہے تو ساری زندگی مضبوط ہو جاتی ہے۔ اس کے پاس قوتِ فیصلہ ہوتا ہے‘ اس کے اندر ہمت اور شجاعت ہوتی ہے‘ اس کے پاس حوصلہ ہوتا ہے‘ اس کی رائے میں مضبوطی ہوتی ہے‘ وہ اندیشوں سے نہیں ڈرا کرتا۔ اَن جانے خیالوں سے خوف نہیں رکھتا۔ اِدھر سے ہوا چلی‘ اُدھر سے پردہ ہلا‘ اُدھر سے دو مرتبہ کو آ گزر گیا۔ اندر خوف آ گیا‘ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ ساری وہ مخلوق ہے جس کا دل اللہ کی عظمت‘ اس کی محبت اور اس کے خوف سے خالی ہے‘ گویا خالی ڈھول ہے‘ یہی وجہ ہے ہر چیز اس میں آواز پیدا کر رہی ہے۔ ایمان تازہ ہو‘ مضبوط دل کا مالک ہو‘ جہاں سارے اسباب کٹیں‘ یہ پھر بھی پُر امید رہے‘ اللہ پر یقین کامل ہو تو وہ زندگی‘ نہایت پُر سکون‘ مطمئن اور خوب صورت ہوتی ہے اور اگر خدانخواستہ ایمان نہیں تو جیتے ہوئے بھی مرا ہوا ہے۔ اس کے جینے میں مزہ ہی کوئی نہیں۔ کسی کروٹ سکون نہیں‘ کسی کروٹ اطمینان نہیں‘ زندگی تو ایمان سے ہے۔ جن معاشروں میں ایمان نہیں ہے وہاں آپ کو ہر تیسرا چوتھا آدمی نفسیاتی ملتا ہے اور نفسیاتی وہی ہوتا ہے جس کا ایمان اسباب پہ ہوتا ہے۔ اسباب گئے تو اس کے دماغ پہ ایسی چوٹ پڑی کہ وہ نفسیاتی ہو گیا۔ مسلمان فقیر ہے‘ ضرورت مند ہے‘ گھر میں فاقے ہیں‘ لیکن پھر بھی مطمئن ہے۔

گھٹتا بڑھتا ایمان: یہ ایمان بڑھتا بھی ہے‘ گھٹتا بھی ہے‘ پیارے رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے: ”یہ ایمان بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھتا ہے کہ ابو بکر کا ایمان ساری امت کے ایمان پہ بھاری ہو جاتا ہے“ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عمران بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تینتیس سال تک بستر پہ پڑے رہے۔ کھانا پینا‘ پہننا سب بستر پہ ہوتا تھا۔ ایک کروٹ پہ رہے‘ لیکن کوئی بھی شخص عیادت کے لیے آتا تو آپ کے چہرے کا اطمینان دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ کوئی پوچھ بھی لیتا عمران اتنے مطمئن؟ فرمایا کرتے: ”میرے اللہ کا میرے لیے یہ فیصلہ ہے نا اور اللہ تو علیم ہے‘ اللہ تو حکیم ہے‘ اللہ تو رحیم ہے‘ تو اس کا فیصلہ میرے حق میں اچھا ہی ہو سکتا ہے۔ میں اپنے اللہ کے فیصلے پہ راضی ہوں۔“ سبحان اللہ! پیارے رسول ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ کہتا ہے (یعنی حدیث قدسی ہے) جو بندہ میرے فیصلے پہ راضی نہیں‘ میری عطا پہ راضی نہیں‘ اسے چاہیے کہ کوئی اور رب تلاش کرے۔ اللہ تو اللہ ہے‘ ستر ماؤں سے زیادہ مہربان ہے۔ ماں اپنے علم کے مطابق اپنے بچے کی خیر خواہی چاہتی ہے۔ اللہ تو ماؤں سے کئی گنا بڑھ کر اپنے بندوں پر مہربان ہیں۔ اس کا جو فیصلہ میری زندگی میں ہے اس میں میرے لیے بھلائی ہے۔ جب یہ تازہ ایمان ہو گا تو مطمئن ہو گا نا۔ اللہ ہمیں بھی ایسا ہی ایمان نصیب فرمائے جس سے دل مطمئن ہو اور ہم اللہ کی رضا میں راضی رہیں۔

اقبال فرماتے ہیں کہ اے نوجوان! تو اخلاص کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑ اور سلطان و امیر کے خوف سے دور رہ۔ تو غصے میں ہو یا خوشی میں، دونوں حالتوں میں عدل و انصاف کو ہاتھوں سے نہ جانے دے۔ تجھ پر غریبی ہو یا امیری، تو فقر میں ہو یا غنا میں، اعتدال اور میانہ روی کو نہ چھوڑ۔اے نوجوان اگر تجھے خدا کا کوئی حکم مشکل لگے تو اُس کی تاویل نہ ڈھونڈ۔ روشنی حاصل کرنے کے لئے اپنے دل کے علاوہ کہیں اور سے چراغ تلاش نہ کر۔ اے نوجوان! یاد رکھ کہ جانوں کی یعنی روح کی حفاظت اللہ کے ذکر سے ہے اور جسموں کی حفاظت جوانی میں اپنے نفس پر قابو پانے میں ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ دنیا و آخرت میں سربلندی اور سرداری جان اور جسم دونوں کی حفاظت کے بغیر ہاتھ نہیں آتی۔

اے نوجوان! سفر کا مقصد سیر سے لذت حاصل کرنا ہے۔ اگر تیری نگاہ صرف آشیانے تک ہے (یعنی تو اپنی منزل سے بے خبر ہے) تو پھر تو مت اُڑنا اور سفر مت کرنا۔اے نوجوان! دیکھ اور سمجھ کہ چاند اِس لئے گردش کرتا ہے تاکہ وہ بدر (صاحبِ مقام) بن جائے اور آدمی کے سفر میں یعنی تیری سیر میں، تیرے لئے کوئی بھی مقام اور پڑاؤ حرام ہے۔ تیرے لئے مسلسل حرکت میں رہنا ضروری ہے۔اے نوجوان! زندگی پرواز کی لذت اور عملِ پیہم کے سوا اور کچھ نہیں ۔رک جانا، ٹھہر جانا اور آشیانہ بنانا زندگی کی فطرت کے لئے سازگار نہیں۔اِس کی مثال اِس طرح سے ہے کہ کوے اور گدھ کا رزق قبر کی مٹی میں ہے جب کہ بازوں اور شاہینوں کا رزق بلندیوں پر اور چاند اور سورج کے مداروں میں ہے۔ یاد رکھ کہ بلند پرواز اور جدوجہد ہی سے زندگی کا صحیح مقام حاصل ہوتا ہے۔اے میرے نوجوان! دین کا راز سچ بولنے اور حلال روزی میں ہے۔ خلوت ہو یا جلوت دنوں حالتوں میں دین کا راز اُس ذاتِ حق کے جمال کا نظارہ کرنے میں ہے۔دین کے راستے میں تو ہیرے کی طرح سخت رہ اور بے خوف ہو کر اپنا دل حق تعالیٰ سے لگا اور ہر قسم کے وسوسہ سے آزاد ہو جا۔

اے نوجوان! میں تجھے دین کے رازوں میں سے ایک راز بتاتا ہوں۔ میں تجھے ایک داستان سناتا ہوں۔ ایک بادشاہ اپنے عمل کے خلوص میں بے مثل تھا۔ اُس کے پاس ایک گھوڑا تھا جسے وہ اپنے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتا تھا۔ یہ گھوڑا، جنگ کے موقع پر، اپنے مالک کی طرح سخت کوش رہتا تھا۔ وہ اعلیٰ عربی نسل کا بے عیب اور باوفا گھوڑا تھا۔اے میری بات میں چھپے نکتے کو پا جانے والے عزیز نوجوان! مردِ مومن کے لئے قرآن اور تلوار اور گھوڑے کے سوا اور ہوتا بھی کیا ہے۔ اُسے اِن کے علاوہ اور کیا محبوب ہو گا۔ وہ گھوڑا پہاڑوں اور دریاؤں کے پانی پر سے ہوا کی طرح گذر جاتا تھا۔ جنگ کے دن وہ نظر سے بھی زیادہ تیز نکلنے والا ہوتا تھا۔ وہ تیز ہوا کی طرح پہاڑوں اور وادیوں کو عبور کر لیتا تھا۔ اُس کی دوڑ میں قیامت کے سے فتنے تھے۔ اُس کے سموں کی ضرب سے پتھر ریزہ ریزہ ہو جاتے تھے۔ ایک دن وہ گھوڑا پیٹ کے درد کی وجہ سے کمزور اور لاچار ہو گیا۔ حیوانات کے معالج نے اُس کا علاج شراب سے کیا اور بادشاہ کے اِس گھوڑے کو درد سے نجات دلا دی۔ حق کی پہچان رکھنے والے بادشاہ نے اُس گھوڑے کو پھر کبھی سواری کے لئے نہ بلایا، کیوں کہ اُس نے شراب پی لی تھی، سو بادشاہ نے اُس گھوڑے پر سواری کو حق پرستی کے خلاف سمجھتے ہوئے پھر اُس پر کبھی سواری نہ کی۔ بادشاہ کا یہ عمل اُس کی حق پرستی اور دینداری کی عظیم مثال ہے۔اے نوجوان! میری دعا ہے کہ خدا تجھے قلب و جگر دے، تجھے دلِ زندہ اور بصیرت دے تا کہ تو اُس بادشاہ کی اطاعتِ خدا دل کی آنکھوں سے دیکھ سکے۔

خطابِ اقبال بہ نوجوانانِ اُمت

روفیسر ڈاکٹر نوید جمیل ملک

اے نوجوان! کیا تجھے خبر ہے کہ دین کیا ہے؟ دین اللہ کی طلب اور جستجو میں خود کو پُر سوز بنانا ہے، خود کو جلانا ہے۔اِس کی ابتداء ادب، اور اِس کی انتہا عشق ہے۔ پھول کی آبرو اُس کے رنگ و بو سے ہے۔ بے ادب، بے رنگ و بو اور بے آبرو ہوتا ہے۔ میں تم میں سے جب بھی کسی نوجوان کو بے ادب دیکھتا ہوں تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے اور میرا دن اور میری رات تاریک ہو جاتی ہے۔ میرے سینے میں سوز بڑھ جاتا ہے اور مجھے حضور ﷺ کے ادب کا زمانہ یاد آتا ہے۔اِس بے ادبی کی وجہ سے میں اپنے زمانے سے پشیمان ہوں، اِس لیے گذرے ہوئے زمانوں اور صدیوں میں پناہ لیتا ہوں اور چھپ جاتا ہوں۔

اے نوجوان! یاد رکھ کہ عورت کا پردہ محرم یا اُس کا شوہر ہے یا پھر اُس کے مرنے کے بعد قبر کی مٹی ہے، جبکہ مرد کا پردہ بُرے دوست کی صحبت سے بچنا ہے۔اے نوجوان، بری بات کو اپنے ہونٹوں پر لانا برا ہے، غلطی ہے اور گناہ ہے۔اے نوجوان اگرچہ یہ دل بدن کی قید میں ہے اور مادیت کا قیدی ہے مگر پھر بھی تجھے یاد رہے کہ یہ تمام کائنات دل ہی کی قید میں ہے

pg11
shangrilla
03

دنیا ایک چٹ پٹی عورت کی طرح لوگوں کو اپنے حسن و جمال سے گرفتار کرتی ہے اور اپنی بد کرداری کی وجہ سے اپنے وصال کے خواہش مندوں کو ہلاک کرتی ہے۔ یہ اپنے چاہنے والوں سے بھاگتی ہے اور ان کی طرف توجہ کرنے میں بڑی بخیل ہے۔ اگر ایک دفعہ احسان کرتی ہے تو ایک سال تک برائیاں کرتی رہتی ہے۔ جو اس کے دھوکے میں آجاتا ہے اس کا انجام ذلت ہے اور جو اس کی وجہ سے تکبر کرتا ہے، وہ آخر کار حسرت و افسوس کی طرف چلتا ہے۔ اس کی عادت اپنے عاشقوں سے بھاگنا ہے اور جو اس سے بھاگے، اس کے پیچھے پڑتا ہے۔ جو اس کی خدمت کرے، اس سے علیحدہ رہتی ہے اور جو اس سے اِعراض کرے، اس سے ملاقات کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی صفائی میں بھی تکدر ہے، اس کی خوشی میں بھی رنج و غم لازم ہیں۔ اس کی نعمتوں کا پھل حسرت و ندامت کے سوا کچھ نہیں۔ یہ بڑی دھوکا دینے والی مکّار عورت ہے۔ بڑی بھگوڑی اور ایک دم اڑ جانے والی ہے۔ یہ اپنے چاہنے والوں کے لیے نہایت زیب و زینت اختیار کرتی ہے، اور جب یہ اچھی طرح اس میں پھنس جاتے ہیں تو دانت دِکھانے لگتی ہے اور ان کے منظّم احوال کو پریشان کر دیتی ہے اور اپنی نیرنگیاں ان کو دِکھاتی ہے، پھر اپنا زہر قاتل ان کو چکھاتی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی دشمن ہے، اس کے دوستوں کی دشمن ہے، اس کے دشمنوں کی دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دشمنی اس طرح سے کہ اس کی طرف چلنے والوں کی رہزنی کرتی ہے۔ اس کے دوستوں کے ساتھ دشمنی اس طرح کرتی ہے کہ ان کے دل لبھانے کے لیے طرح طرح کی زینتیں اپنے اوپر لادتی ہے، جس سے وہ اس طرف متوجہ ہو کر اس سے قطع تعلق پر صبر کا کڑوا گھونٹ پیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی اس طرح کرتی ہے کہ اپنے مکر و فریب سے ان کا شکار کرتی ہے اور جب وہ اس کی دوستی پر بھروسا کرنے لگتے ہیں، تو یہ ایسے وقت ان کو ایک دَم چھوڑ دیتی ہے جس وقت کہ وہ اس کے سخت محتاج ہوں۔ جس سے وہ دائمی حسرت اور دائمی عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

قرآن پاک کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ میں کثرت سے اس کی ندامت وارد ہوئی ہے۔ بلکہ تمام انبیائے کرام علیٰ نبینا علیہم الصلوۃ والسلام کی بعثت اسی پر تنبیہ کے لیے ہوئی ہے کہ اس سے دل نہ لگایا جائے۔ ایک موقعہ پر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک دنیا کی وقعت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ ملتا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ دنیا کی محبت ہر خطا کی اساس اور بنیاد ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے کچھ پینے کو مانگا تو شہد کا شربت خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس کو منہ کے قریب فرما کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور اتنا روئے کہ پاس بیٹھنے والے بھی متاثر ہو کر رونے لگے اور خوب روئے۔ اس کے بعد پھر منہ کے قریب کیا پھر رونے لگے۔ اس کے بعد اپنی آنکھوں کے آنسو پونچھے اور ارشاد فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ میں نے دیکھا حضور اپنے دونوں ہاتھوں سے کسی چیز کو دفع فرما رہے ہیں اور کوئی چیز حضور ﷺ کے سامنے مجھے نظر نہ آئی۔ تو میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور! کس چیز کو اپنے راستے سے ہٹا رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میرے سامنے حاضر ہوئی تھی میں نے اس کو اپنے سے ہٹا دیا۔ اس کے بعد پھر دنیا میرے (یعنی حضور ﷺ کے) پاس آئی اور کہنے لگی کہ اگر آپ مجھ سے بچ گئے تو (کچھ قلق نہیں اس لیے کہ) آپ کے بعد آنے والے مجھ سے نہیں بچ سکتے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت زیادہ تعجب ہے اس شخص پر جو اس پر ایمان رکھتا ہے کہ آخرت دائمی اور ہمیشہ رہنے والی ہے اور پھر بھی وہ اس دھوکا کے گھر (دنیا) کے لیے کوشش کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں: ایک مرتبہ مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں دنیا کی حقیقت دِکھاؤں؟ میں نے عرض کیا: ضرور دِکھائیں۔ حضور ﷺ مجھے ساتھ لے کر مدینہ منورہ سے باہر ایک کوڑی پر تشریف لے گئے جہاں آدمیوں کی کھوپڑیاں، پاخانے اور پھٹے ہوئے چیتھڑے اور ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوہریرہ! یہ آدمیوں کی کھوپڑیاں ہیں۔ یہ دماغ اسی طرح دنیا کی حرص کرتے تھے جس طرح تم سب زندہ آج کل کر رہے ہو۔ یہ بھی اسی طرح امیدیں باندھا کرتے تھے جس طرح تم لوگ امیدیں لگائے ہوئے ہو۔ آج یہ بغیر کھال کے پڑی ہوئی ہیں اور چند روز اور گزر جانے کے بعد مٹی ہو جائیں گی۔ یہ پاخانے وہی رنگ برنگ کے کھانے ہیں جن کو محنت سے کمایا، حاصل کیا، پھر ان کو تیار کیا اور کھایا۔ اب یہ اس حال میں ہے کہ لوگ اس سے (نفرت کر کے) بھاگتے ہیں (وہ لذیذ کھانا جس کی خوش بو دور سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی، آج اس کا منتہا یہ ہے کہ اس کی بدبو دور سے لوگوں کو اپنے سے متنفر کرتی ہے)۔ یہ چیتھڑے وہ زینت کا لباس (تھا جس کو پہن کر آدمی اکڑتا تھا۔ آج یہ اس حال میں) ہے کہ ہوائیں اس کو اِدھر سے اُدھر پھینکتی ہیں۔ یہ ہڈیاں ان جانوروں کی ہڈیاں ہیں جن پر لوگ سواریاں کرتے تھے (گھوڑوں پر بیٹھ کر مٹکتے تھے) اور دنیا میں گھومتے تھے۔ بس جسے ان احوال پر (اور ان کے عبرت ناک انجام پر) رونا ہو وہ ان کو دیکھ کر روئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب بہت روئے۔

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا (ظاہر کے اعتبار سے) میٹھی اور سبز ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے تم کو اس میں اپنے اسلاف کا جانشین اس لیے بنایا ہے تاکہ وہ یہ دیکھے کہ تم اس میں کیا عمل کرتے ہو؟ بنی اسرائیل پر جب دنیا کی فتوحات ہونے لگیں تو وہ اس کی زیب و زینت اور عورتوں اور زیوروں کے چکر میں پڑ گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دنیا کو اپنا سردار نہ بناؤ، وہ تمہیں اپنا غلام بنا لے گی۔ اپنا خزانہ ایسی پاک ذات کے پاس محفوظ کر دو، جہاں ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ دنیا کے خزانوں میں ضائع ہونے کا اندیشہ ہر وقت ہے اور اللہ پاک کے خزانے میں کوئی آفت نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دنیا کی خباثت کے آثار میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے۔ اور اس کی خباثت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ آخرت اس کو چھوڑے بغیر نہیں ملتی۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے اور تھوڑی دیر کی خواہش بہت طویل زمانہ کے رنج و عذاب کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ دنیا بعضوں کی طالب ہوتی ہے، بعضوں کی مطلوب ہوتی ہے۔ جو آخرت کے طالب ہیں، ان کی تو یہ خود طالب ہوتی ہے کہ جھک مار کر ان کی روزی ان کو پہنچاتی ہے۔ اور جو اس کی طلب میں لگ جاتے ہیں، آخرت ان کو خود طلب نہیں کرتی، حتیٰ کہ موت آ کر ان کی گردن دبا لیتی ہے۔

بقیہ

یاد رکھنے کی بات ہے کہ ہر وہ شخص جو دوسروں کی توجہ کا طالب ہو، اِس قابل بھی نہیں ہوتا کہ کسی پر توجہ کر سکے۔

جنس

شعور کی عمارت کا تیسرا اور سب سے زیادہ خطرناک دروازہ ہے جنس کا۔

نوجوانی میں دنیا بھر کے گناہ ایک طرف اور جنس ایک طرف۔ اس کی شرارتوں سے بندہ بچ کر نکل جائے تو خوب ورنہ بہت برا گرا اور بڑی چوٹ لگی۔

زبان کے چٹخارے، آنکھوں کے اِشارے، عشق کی کارستانیاں، محبتوں کے فریب، الفاظ کی ملمع کاری، جنسِ مخالف کی طرف داری و ستائش، پیٹ بھرنے کو حقوقِ نسواں کی ہاہاکار، بھونڈے مسیجز، لغو اور فحش باتیں، موبائل پیکجز اور حسن کو شوآف کرنے کی لگن سبھی اس ایک دروازے کے مرہونِ منت ہیں۔

ہمیں خود ہی دیکھنا چاہیے اور اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ کون کون سب، کہاں اور کیسے اس دروازے سے اندر جھانکا؟ سانجھ سمے کس نے چوری کی؟

دل کی کشتی میں سوراخ کون کر گیا؟ کوڑیوں کے بول، لاکھوں کی نیکیاں کون لے گیا؟ اور کس کا ضبط کہاں ٹوٹا؟ کس کا صبر کہاں بکھرا؟

ہر شخص کی برداشت الگ ہے۔ کسی کو ایک بے ضرر سا جملہ وہ آگ لگاتا ہے کہ پانی سے نہ بجھے تو کسی کے سامنے سارے رنگ مل کر بھی بلیک اینڈ وائٹ رہتے ہیں۔

سب سے زیادہ باریک و خطرناک یہ دروازہ ہے۔ یہاں سے گناہ چھن چھن کر، رِستے ہوئے اندر آ جاتے ہیں اور پتا بھی نہیں لگتا۔

آیئے حساب لگاتے ہیں کہ ہم کتنے فی صد انسان ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ مرنے سے پہلے صرف انسان ہی بن جائیں تو کیا کہنے

امنِ عالم کا واحد نسخہ

اہلِ علم کی قیادت

محمد کاشف تبسم

اللہ ! اللہ ! کیسے پُر کیف مناظر ہیں۔ روئے زمین کے ستارے پوری چمک دمک کے ساتھ مدارس کی طرف کِھنچے چلے آ رہے ہیں، نہ کسی حکومت کی سر پرستی اور نہ ہی این جی اوز کا سہارا، نہ تن خواہوں کی پرواہ اور نہ ہی کسی عہدے یا منصب کا لالچ۔ یہ تو علم کی شمع کے پروانے ہیں، جی بے لوث، بے غرض اور پُر خلوص دیوانے جو پورے ملک سے ان روحانی چشموں کی طرف رختِ سفر باندھتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دین سے محبت نے انھیں ہر قربانی پر تیار کر دیا اور اس حقیقت کا بھی انکار نہیں ہے کہ قرآن و حدیث میں حصولِ علم کے فضائل بہت ہی زیادہ ہیں اور انھی فضائل کو پانے کے لیے طلبا انتہائی ذوق و شوق سے مدارس کا رخ کر رہے ہیں۔ اہلِ خیر بھی اسی دینی جذبے سے سر شار ہو کر مالی تعاون سے اپنا اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ یہ فضائل، یہ بشارتیں اور یہ خوش خبریاں صد مبارک ہوں ! !

اہلِ علم کے حلقے جنت کی کیاریاں ہیں تو اہلِ خیر ان کی آبیاری کرنے والے۔
مسلمانوں کی ایک جماعت تعلیم میں مگن تو دوسری ان کی دیکھ بھال میں۔

یہ دونوں جماعتیں قابلِ رشک بھی ہیں اور قابلِ تقلید بھی، مگر ایک طبقہ ایسا بھی ہے، جو اغیار کے پروپیگنڈے سے متاثر ہے، جن کی نظر میں ”مولوی کا وجود“ ملک و قوم کے لیے خطرے کا باعث ہے، جو دینی تعلیم کو پرانے دَور کی باتیں اور دین پسندی کو رجعت پسندی تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک روشن خیالی اور ترقی کی راہ کا سب سے بھاری پتھر ہی دینی طبقہ ہے، جس کا خاتمہ نہ سہی، کم از کم اُن کو بد نام کیا جانا انھیں بہت ضروری چیز نظر آ رہا ہے۔ یہ سب اپنی اپنی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ کیا کسی کو یہ خبر بھی ہے کہ مدارسِ دینیہ کی بقا صرف دین و مذہب کے لیے ہی ضروری نہیں، بل کہ

”امنِ عالم کا واحد نسخہ بھی اہلِ علم کی قیادت ہے۔“

جی ہاں ! صفہ کے چبوترے سے اٹھنے والے طلبا نے قیادت کا پرچم اٹھایا تو امن و سلامتی کے پھول چار سُو کِھل اُٹھے اور اس کے بعد سے پورے اسلامی دورِ حکومت میں، جہاں بھی اہلِ مدارس کی قیادت کو عروج ملا، امنِ عالم خود بخود قائم ہوتا چلا گیا اور جب سے اہلِ مدارس کے خلاف زہر اگلنے، علماء کی لاشیں لٹکانے اور توپوں کے دہانے سے اڑانے کا کھیل شروع ہوا تو اس وقت سے دنیا میں ہر طرف آگ ہی آگ دہکتی چلی جا رہی ہے۔

مسئلے کا حل ہمارے پاس تھا، مگر افسوس ہوتا ہے ان مفکرین اور دانش وروں پر، جن کی آنکھ اس حقیقت سے اب بھی دور ہے۔ حقیقت کو وہ سمجھتے بھی ہیں، مگر تعصب، عِناد اور بغض کے چشمے لگا کر وہ پھر ”ملّا“ کے خلاف بھڑک اٹھتے ہیں۔ واضح رہے ماضی میں علما پر مظالم کا طوفان اتنا خطرناک نہیں تھا، جتنا عصرِ حاضر میں ان کے خلاف بد اعتمادی کی دیواریں کھڑی کر کے معاشرے کو ان سے کاٹا جا رہا ہے۔ ہر فتنہ چاہے جس روپ اور جس شکل میں ہو، ان سب کا بنیادی ہدف علماء کو معاشرے سے اور معاشرے کو علما سے کاٹنا ہے۔

ہوشیار رہیے... بیدار رہیے... اور ہاں ! علمائے سوء کی وجہ سے علمائے حق کی مخالفت کو قریب بھی نہ پھٹکنے دیجیے اور نہ ہی علماء کی بحیثیت انسانی فطرت کے بعض لغزشوں اور کوتاہیوں کے ان کی محبت میں کمی لائیے، کیوں کہ علماء ہی صرف امنِ عالم کے امین ہیں اور یہ اپنی تمام تر کوتاہیوں کے باوجود آج بھی قیادت کے مستحق ہیں۔ یہ میرا نہیں، بل کہ ابوالکلام آزادؒ کا بھی یہی دعویٰ ہے، تقریباً ایک صدی قبل آپؒ جمعیۃ العلماءِ ہند کے تیسرے سالانہ اجلاس کے خطبۂ صدارت میں کس دردِ دل اور کڑھن کے ساتھ کہہ رہے تھے، لیجیے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں :

”اے نظارہ گیانِ مجلس... ! ! خواہ زمانے نے ان علماء کو کتنا ہی حقیر اور بے مرتبت بنا دیا ہو، لیکن خدارا ! آپ چشمِ حقارت سے نہ دیکھیں۔ یہی ہیں ! ! جنھوں نے اسی دنیا میں رسولوں کی نیابت کی ہے۔ یہی ہیں ! ! جو ان کی وراثت کے حقدار ٹھہرے ہیں۔ یہی ہیں ! ! جن کے ہاتھوں میں امتِ مرحومہ اور خیر الامم کی قیادت اور باگ رہی ہے۔ یہی ہیں ! ! جو آج تیرہ سو برس سے خدا کی زمین پر اس کے کلمۂ حق کی حفاظت کر رہے ہیں۔ یہی ہیں ! ! جن کی عظمتِ لازوال کے نقوش صفحۂ عالم پر ثبت ہیں اور جن کی ہیبت کے افسانے آج تک زبان تاریخ پر جاری ہیں اور پھر یاد رکھیے ! ! کہ یہی ہیں جو باوجود اپنی کوتاہیوں اور درماندگیوں کے اب بھی آپ کی قسمت کے مالک اور آپ کی سعادت و شقاوت کی باگ اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔ آپ کو اگر زندگی مل سکتی ہے تو انھی کے ہاتھوں سے اور اگر آپ اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں تو صرف ان ہی کی اطاعت اور پیروی سے !“ (ماہنامہ پیغام 1921ء)۔

ابوالکلام آزادؒ نے اپنا فریضہ ادا کیا اور وہ حق کی آواز لگا کر چلے گئے اور ان کے بعد علما کی مخالفت کا فتنہ تو ہر رنگ بدلتا، بڑھتا چلا گیا، مگر اس فتنے کے خلاف اٹھنے والے ابولکلام جیسے لوگ کم ہوتے گئے۔ یہ مسئلہ ہمارے دینی تشخص کی بقا اور آنے والی نسلوں کے ایمان کی حفاظت کا مسئلہ ہے۔ معاشرے کو ہر دور میں اعتدال، اہلِ علم نے ہی بخشا ہے۔ اگر ان کو ہی معاشرے سے کاٹ دیا جائے تو نتیجہ کیا ہو گا؟ وہی جو آج ہو رہا ہے۔ پوری دنیا آتش کدہ بن چکی ہے۔ اگر معاشرے کو بچانا ہے تو علما کی محبت دل میں بسائیں۔ ان سے اللہ کی بندگی اور انسانیت کی ہمدردی کا سبق پڑھنا ہو گا، ورنہ خدمتِ خلق کی آڑ میں ایمان و غیرت کا قتل اور تہذیب کے نام پر سفاکیت اور انسانیت کے نام پر حیوانیت اور تعلیم کے نام پر اِلحاد ہم پر مسلط کیا جاتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

pg15
new zaiby
04

آپ کتنے فیصد انسان ہیں

ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی

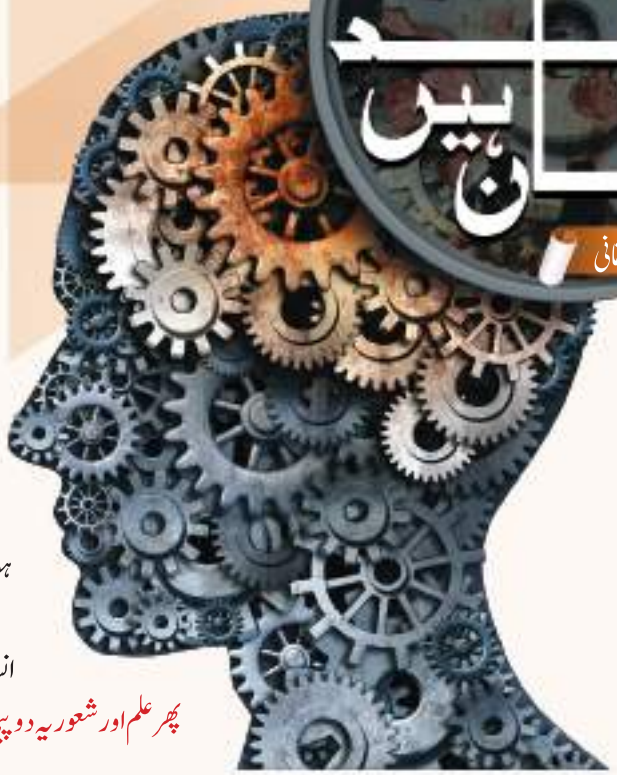

پچھلے دنوں فیس بک پر ایک صاحب نے غصّے میں کہا: ''تم دو ٹکے کے آدمی ہو۔'' یہ جملہ ہمارے معاشرے میں عام ہو چکا ہے اور لوگ ازراہِ تمسخر یا کسی کو بے عزت کرنے کے لئے سرِ عام بے شرمی سے بولتے چلے جاتے ہیں۔

میں سوچنے لگا کہ آخر وہ کیا پیمانہ ہو جس میں ہم انسان کو ناپ سکیں؟ کیسے معلوم ہو کہ فلاں آدمی دو ٹکے کا ہے یا 16 آنے کا؟

اور ایک قدم مزید پیچھے ہٹ کر دیکھتے ہیں کہ آیا وہ شخص آدمی کہلانے کے بھی لائق ہے یا نہیں؟

اکثر بچے پوچھتے ہیں: ''سر میں بڑا آدمی بننا چاہتا ہوں۔'' میں ان سے اتنی ہی عرض کرتا ہوں: ''چلو پہلے آدمی تو بنیں، بڑا چھوٹا تو بہت بعد کی باتیں ہیں۔''

آیئے سب سے پہلے مخلوقات میں فرق کو دیکھ لیتے ہیں۔ تین بنیادی جبلتیں ہیں جن پر شعور کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

عقل، غصّہ اور جنس۔

فرشتوں میں عقل ہوتی ہے غصّہ اور جنس نہیں۔ نباتات میں جنس ہوتی ہے، تھوڑی بہت عقل بھی، مگر غصّہ نہیں۔ جانوروں میں جنس اور غصّہ ہوتے ہیں، عقل کوئی خاص نہیں۔

انسانوں اور جنات میں یہ تینوں جبلّتیں پوری طرح موجود ہوتی ہیں۔

پھر علم اور شعور یہ دو پیمانے ہیں جن پر ہم کسی مخلوق کو پرکھتے ہیں۔ ان معیاروں پر پورا اترنے والا آدمی ہی ''انسان'' کہلانے کا حق دار ہے۔

اچھا پھر علم کہتے ہیں اپنے آس پاس موجود اشیا اور حالات سے واقفیت کو اور اُن سے تعلق قائم کرنے کو کہ انہیں ہم اپنی بہتری کے لئے کیسے استعمال کر سکتے ہیں۔

اس میں درجہ بدرجہ انسان و جانور دونوں ایک جیسے ہیں۔ معیار اور درجے کا فرق ہے صرف۔

''ٹرک کے سامنے چھلانگ لگا دوں گا تو موت یقینی ہے۔'' اتنا علم انسان کے پاس بھی ہے اور جانور کے پاس بھی۔ طبیعت خراب ہو تو بلی کو بھی پتا ہے کہ گھاس کھانی ہے۔

تیراکی سے لے کر اڑنے تک اور گھونسلہ بنانے سے لے کر گروہ کی شکل میں پرواز قائم رکھنے تک آپ کو ہزاروں مثالیں ایسی مل جائیں گی جس میں انسان و جانور اپنے ماحول، حالات اور دستیاب اشیاء سے اپنی بہتری کا سامان کرنا جانتے ہیں۔

انسان کا تو کام ہی یہ ہے کہ یا تو علم حاصل کرے یا علم بانٹتا پھرے، اُس بادل کی طرح جو کھیت و ریگستان، جنگل و دریا پر یکساں برستا ہے اور جو وقت بچ جائے اس میں اللہ کی عبادت کرے کہ اللہ کا نام بغیر توجّہ کے ہی کیوں نہ لیا جائے، اپنا اثر ضرور چھوڑتا ہے۔

ایک انسان سے علم کا صدور گاہے بگاہے ہوتا ہی رہتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد کا کہنا ہے کہ وہ امام صاحب کی مجلس میں 30 سال تک جاتا رہا اور ہمیشہ کوئی نئی بات سیکھی۔ اب آپ خود سوچیں کہ امام صاحب کے علم کے صدور کا کنکشن نجانے کہاں جا کر جُڑا ہوا تھا۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ علم کا صدور انسان ہونے کی نشانیوں میں سے ہے۔ جانوروں میں نہیں ہوتا۔

اب بات کرتے ہیں شعور کی۔ شعور اپنے اندر کے باطنی اِنتشار کو اخلاقِ صالح پر غالب نہ آنے دینے کا نام ہے۔

آپ کی عقل وحی کے تابع رہے۔ آپ کی خواہشات آپ کے اخلاقی قطب نما (مورال کمپاس) سے آگے نہ نکل جائیں۔ اس قوت اور اس چوکیدار کا نام شعور ہے۔

یہ ہر انسان میں پیدائشی طور پر بائے ڈیفالٹ بلٹ اِن ہوتا ہے

اور شعور ہی وہ چیز ہے، جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا کہ اس کے تین دروازے ہیں۔ عقل، غصّہ اور جنس۔ اِن پر نگاہ رکھنی چاہیے۔

ان تینوں پر کنٹرول ہو تو 100 فی صد انسان ہے، اور جو ایک بھی کم ہو تو سمجھو اُتنا ہی 33 فی صد انسان بھی کم ہے۔

عقل

عقل کے کرشمے اور اس کے بے قابو اور بے لگام ہونے کے واقعات تو روزمرہ کے مشاہدات ہیں۔

اگر آپ کو بولنا آتا ہے۔ آپ چرب زبان ہیں تو چاہیں تو سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ میں بدل دیں۔ جیسے چاہیں کسی کو ذلیل کر دیں۔
ٹاک شوز میں مدِ مقابل کو ہرانے کے لئے من گھڑت واقعات ، قصّے کہانیاں ، جھوٹے خواب اور باطل بشارتیں لے آئیں۔
کسی کا پلاٹ ہتھیا لیں۔ میاں بیوی کی لڑائی کروا دیں۔ کسی کی عزت پر بہتان لگا دیں۔ ایک جملہ ایسا کہہ دیں کہ کسی کی سال بھر کی محنت اکارت ہو جائے۔
کوئی ایسا کمنٹ لکھ دیں کہ کسی غریب کی پروموشن رک جائے یا ایسی چال چلیں یا ایسا پلان بنائیں کہ کسی کی نوکری ہی چلی جائے۔
عقل اگر وحی کے تابع نہ ہو تو اندھیرا ہے۔ آپ کی چرب زبانی کسی کی زبان بند کرا سکتی ہے ، دل نہیں جیت سکتی۔ بندہ بچایا کریں ، جملے توڑ دیا کریں۔
بڑی ہمت چاہیے جب آپ کو پتہ ہو کہ آپ کا ایک جملہ سامنے والے کو پاش پاش کر دے گا۔
وہاں آدمی کچھ سیکنڈ کو رک جائے اور سوچے کہ عقل کا استعمال کہاں کر رہا ہے۔
باطنی انتشار کا سیلابی ریلا جو آپ کے اخلاقِ صالحہ کو سب سے پہلے بہا کر لے جاتا ہے وہ اِسی عقل کے دروازے سے آتا ہے۔
یہ باطنی اِنتشار فرد میں ہو تو فرد برباد ، قوم میں ہو تو ملک برباد۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ WMD کے کیسے کیسے دعوے اور کیسی کیسی دلیلیں۔
اور جب مسلمانوں کے خون سے زمین سرخ کر دی تو کہتے ہیں کہ غلط فہمی ہو گئی تھی۔ یہ سب عقل کے کرشمے و کرتوت ہیں۔
چالاکی ، جھوٹ ، بہتان ، طنز ، غیبت ، کردار کشی ، خیانت ، رشوت ، اختیارات کا ناجائز استعمال اور
مخلوق کو تنگ کرنے کے نت نئے بہانے یہ سب اسی دروازے کے بیل بوٹے ہیں۔
اب کسی میں اگر دیانت داری کا وصف نہیں تو اسے کہیں گے دو ٹکے کا آدمی۔
شوہر بیوی کو بات بتاتے ہوئے ڈرے اور باپ بیٹے سے چھپائے کہ اسے بتانا تو شہر میں ڈھنڈورا پیٹنے جیسا ہے۔
قرآن پاک گزشتہ ظالم اقوام کو جانوروں سے [بندر و خنزیر سے] تشبیہ دیتا ہی اس لیے ہے کہ انسانی شعور کی خصوصیات تو ان سے رخصت ہو چکی تھیں۔

غصہ

شعور کا اگلا دروازہ غصّہ ہے۔ انا ، ضد ، میں ، خود پرستی ، حاکمیت ، غرور ، تکبر ، بغض ، کینہ ، حسد ، ظلم اور نشہ اس دروازے کے بیل بوٹے۔

میرے سامنے کوئی بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔
میں تو منہ پہ کہتا ہوں۔
تیری اوقات کیا ہے؟
مجھے سب سے پہلے سَرو کیا جائے۔
میری رائے سب سے آخر میں پوچھی جائے۔
میرا جہاز سونے کا ہو گا۔
میں روٹی کے کنارے کیوں کھاؤں؟
میں اپنا کام اپنے ہاتھوں سے کیوں کروں؟
میں ایسا کر کے دیکھاؤں گا
ایسا ہی ہو گا ، کیوں کہ میں نے ایسا کہا ہے یا ایسا چاہا ہے۔
میرا باورچی میرے ساتھ جہاز میں جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔
غصّہ بڑی ہی قبیح شے ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔

غصّے اور غیرت میں فرق ہے۔

غیرت اُس حفاظتی جذبے کا نام ہے ، جو غیر کو آپ کی ملکیت میں تصرف کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ ہونا بھی چاہیے۔ بڑی اچھی چیز ہے۔
غصّہ نام ہے اپنے مزاج کے برعکس کسی بات کو برداشت نہ کرنے کا۔ یہاں احتیاط بہت ضروری ہے۔
جتنی بار بندہ اللہ سے معافی مانگے کم از کم اتنی بار تو لوگوں کو بھی معاف کر دینا چاہیے۔
متکبر لوگ قیامت میں چیونٹیاں بنا دیے جائیں گے اور لوگ انہیں روندتے پھریں گے۔
کوشش کریں اس دروازے سے کسی جذبے کو اندر نہ آنے دیں۔ کسی شخص کو اگر غصّے میں قابو نہیں تو وہ 33 فیصد کم انسان ہوا۔
بے حسی بھی اسی دروازے سے آتی ہے۔ یہ بات کہ ''میں معزز ترین ہوں'' ، اس بات سے بے نیاز کہ کسی اور پر کیا گزرے ، جانوروں کی خاصیت ہے۔
ایک ریوڑ میں سے شیر کسی ہرن یا نیل گائے کو شکار کر کے کھا لیتا ہے اور باقی تمام قریب ہی کھڑے یہ منظر دیکھتی ہیں اور پھر سے گھاس چرنے لگتی ہیں۔
بے حس آدمی بھی صرف اسی قابل ہوتا ہے کہ گھاس چر لے۔ وہ آدمی جس سے غصّہ برداشت نہیں ہوتا ، عموماً بَد تمیز ، بے ادب اور ظالم بھی ہوتا ہے۔ (بقیہ ص 13 پر)

درخواست دیکھ کر مجھے حیرت کا جھٹکا لگا۔ میں نے غور سے درخواست کے ساتھ لگی سی وی کو دیکھا۔۔۔ ہمارے ادارے کے معیار پر پورا اترتی تھی۔ وہ آدمی بڑی بڑی کمپنیوں میں کام کا تجربہ رکھتا تھا۔ جس چیز نے مجھے چونکایا' وہ اس پر لکھا سیلری پیکج تھا' جو انتہائی قلیل تھا' حالاں کہ مطلوبہ عہدہ نہایت پُرکشش تنخواہ کا حامل تھا۔ دو لاکھ سے کم کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں بڑبڑایا: ''بے وقوف آدمی معلوم پڑتا ہے۔''

دراصل مجھے اپنی کمپنی کے لیے مینجنگ ڈائریکٹر کی ضرورت تھی۔ کمپنی کی سخت شرائط سے صرف تین ہی امیدوار گزر پائے تھے' جن میں سے ایک وہ بھی تھا۔ مجھے ایسا لگا کہ شاید یہ ملازمت حاصل کرنے کا حربہ ہو' مگر کچھ سوچ بچار کے بعد بالآخر میں نے پہلے اسے ہی بلانے کا فیصلہ کیا۔ اگلے دن وہ میرے سامنے بیٹھا تھا۔ سادہ مگر پُروقار' وجیہ شخصیت کا حامل' صحت قابل رشک' اس کی آنکھوں سے بلا کا اعتماد جھلک رہا تھا۔ بالآخر انٹرویو شروع ہوا' وہ روانی کے ساتھ ہر سوال کا جواب دیتا چلا گیا۔

''آپ نے جو سیلری لکھی ہے' اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ اس عہدے کی اہمیت اور حساسیت سے واقف نہیں۔'' میں نے اسے کریدنا چاہا۔

''اگر ایسا ہوتا تو میں اس کے لیے درخواست ہی کیوں دیتا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

تو پھر آپ اتنی کم سیلری پر کیسے راضی ہیں؟ میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''بس جناب! میرے لیے یہی کافی ہے۔'' اس نے قدرے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''کیا مجبوری میں ملازمت کے لیے نکلے ہیں؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اچانک سوال کیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

وہ بالکل صاف گوئی سے کام لے رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ ممکن ہے حالات کا مارا اس نہج پر پہنچ چکا ہو' مگر طویل انٹرویو کے بعد بھی میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ وہ اس عہدے کے لیے ہر طرح سے مناسب تھا' بس سیلری کے معاملے میں اس کا موقف سمجھ سے بالاتر تھا۔ میں حیران تھا کہ اتنی اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل شخص' اتنے کم معاوضے پر کام کیوں کر' کر سکتا ہے؟ تین گھنٹے کے انٹرویو سیشن سے گزرنے کے باوجود اس کے چہرے پر تھکاوٹ یا بوجھ کے آثار نہ تھے' بل کہ وہ بدستور ہشاش بشاش تھا۔ اچانک مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ ہمارے مدّمقابل کی کسی کمپنی کی سازش تو نہیں' جو ہمیں نقصان پہنچانا چاہتی ہو' اس اندیشے کے پیش نظر میں نے اسے معتبر افراد کی ضمانت لانے کو کہا۔

میرا خیال تھا کہ اب وہ نہیں آئے گا' لیکن اگلا دن میرے لیے مزید حیرت کا تھا۔ اس کے لیے ضمانت دینی والی بڑے اعلیٰ عہدوں پر فائز معزز شخصیات تھیں۔ وہ بندہ میرے لیے معمّہ بن چکا تھا۔ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا جواب دوں؟ اتنے قابل آدمی کو چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ میں شدید الجھن سے دوچار تھا۔ اس آدمی کی کم سیلری کا راز جاننے سے متعلق میری جستجو بڑھتی جارہی تھی۔ میں چاہ رہا تھا کہ کسی طرح جلد از جلد اس کے راز سے پردہ اٹھ جائے' لیکن اپنی پوری کوشش کے باوجود میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس عجیب آدمی کی کم تنخواہ کی وجہ جاننے کا راز میرے حواس پر اس قدر حاوی ہو گیا کہ رات ٹھیک طرح نیند بھی نہ آئی۔

اگلے دن وہ میرے سامنے موجود تھا۔ ''لگتا ہے کہ آپ کی کوئی مجبوری ہے'

پُراسرار انٹرویو

زبیر فرید

جس کی بنا پر آپ اتنی کم سیلری ۔۔۔۔۔'' میں نے اسے پھر کُریدنا چاہا۔

''جناب! میں اپنی خدمت کا یہی معاوضہ وصول کرنا چاہتا ہوں اور میرے خیال میں تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔'' وہ ذرا توقف کرتے ہوئے بولا۔

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے ہم دردانہ لہجے میں کہا: ''میرا مشورہ ہے آپ اچھی طرح سوچ لیجیے۔ بعد میں نہ کہیے گا کہ تن خواہ کم ہے' اضافہ کیا جائے۔''

''بالکل سوچ لیا ہے۔ مزید سوچنے کی گنجائش نہیں۔'' اس نے مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

میں نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا: ''لیکن ہم اتنی کم سیلری پر آپ کو نہیں رکھ سکتے۔ اس طرح ہماری کمپنی کی ساکھ متاثر ہو گی۔''

''اس بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا جناب۔ میرے خیال میں یہ میرا اختیاری معاملہ ہے' اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

میرے کئی بار زور دینے کے باوجود اس کا اصرار برقرار رہا کہ زیادہ تن خواہ میں وہ کام نہیں کرنا چاہتا۔ (بقیہ ص 27 پر)

pg19 perfect 05

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

فرش خشک ہوجانے سے پاک ہوجاتا ہے؟

سوال: گھر کے پختہ صحن میں اکثر بچے پیشاب کرتے ہیں، سوکھنے کے بعد اگر اس صحن میں نماز ادا کی جائے تو نماز ہوگی یا نہیں، جبکہ پیشاب کے نشان نظر نہ آتے ہوں؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں جب فرش خشک ہوجائے اور اس پر نجاست کا اثر اور بدبو نہ رہے تو اس پر نماز درست ہے، البتہ اس جگہ پر تیمّم درست نہیں ہے۔

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم؟

سوال: زید ایک پاؤں سے معذور ہونے کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہے، حالانکہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کرنے پر قادر ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا کرسی پر نماز پڑھنے کے لیے شریعت کی طرف سے کوئی طے شدہ اصول ہے یا محض سہولت کی خاطر یا کرسی پر بیٹھنے کی عادت کی وجہ سے بھی کرسی پر بیٹھ کر نماز درست ہے۔ آج کل مساجد میں اس کا رجحان بڑھتا جارہا ہے؟

جواب: واضح رہے کہ کرسی پر نماز پڑھنے کے جواز کے لیے شریعت کی طرف سے اصول طے شدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص نماز میں کھڑے رہنے سے قاصر ہو، اگر یہ شخص زمین پر بیٹھ کر سجدہ کرنے پر قادر ہو تو اس کے لیے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے (اگرچہ وہ قیام پر قادر نہ ہو) اور اگر وہ زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں سجدہ نہیں کرسکتا تو پھر کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

اس کا رجحان بڑھتا جارہا ہے

سوال: سنا ہے کہ ہمسایہ کے مکان میں جب تک میت رکھی رہے اس وقت تک کھانا کھانا درست نہیں، خواہ کتنی ہی بھوک لگے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ خود اہلِ میت کے لیے بھی کھانے سے پرہیز کا شرعاً کوئی حکم نہیں، صدمہ اور غم کی وجہ سے کھانا نہ کھا سکیں تو اور بات ہے۔ آج کل یہ رسم بن گئی ہے اور اس کا ایسا اہتمام ہونے لگا ہے کہ میت گھر میں ہوتے ہوئے کھانا کھانا گناہ سمجھتے ہیں، اس لیے اس رسم کا ترک واجب ہے، بہ تکلف کچھ نہ کچھ کھانا چاہیے۔ عزیز و اقارب اور پڑوسیوں پر لازم ہے کہ اہلِ میت کو ترغیب و اصرار سے کھانا کھلائیں

میاں بیوی میں سے ایک کا دوسرے کی میت کو دیکھنا یا نہلانا

سوال: اگر شوہر یا بیوی میں سے کسی ایک فرد کا انتقال ہوجائے تو دوسرا فرد اسے دیکھ سکتا ہے یا چُھو سکتا ہے، یا اس کا جنازہ اٹھا سکتا ہے یا قبر میں اتار سکتا ہے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں بیوی کے لیے سب کچھ جائز ہے، البتہ شوہر، بیوی کی میت کو دیکھ سکتا ہے، نہلا نہیں سکتا اور بلاحائل چُھو بھی نہیں سکتا، باقی جنازہ اٹھا سکتا اور قبر میں اتار سکتا ہے۔

مسجد کے لیے وقف شدہ قرآن فروخت کرنا

سوال: ایک صاحبِ خیر نے مسجد میں تلاوت کے لیے قرآن وقف کیے۔ ایک دوسرے آدمی نے پیسے دے کر وہ قرآن لے لیے اور وہ اس کو درست سمجھتے ہیں۔ برائے کرم وضاحت فرمائیں کہ مسجد کا قرآن اس طرح بیچا جاسکتا ہے؟

جواب: واضح رہے کہ مسجد کے وقف قرآن بیچنا جائز نہیں، اگر قرآنِ کریم کے نسخے ضرورت سے زائد ہوں تو قریب کی ضرورت مند مسجد میں دے دیے جائیں۔ مسجد کو جب ضرورت نہ ہو تو لینا ہی نہیں چاہیے۔

طلبا پر مالی جرمانہ لگانے کا حکم

سوال: عصرِ حاضر میں اسکولوں اور کالجوں کی انتظامیہ کا ایک دستور ہے کہ جب کوئی طالب علم غیر حاضری یا کسی اور جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اساتذہ یا ادارے کا سربراہ اس سے مالی جرمانہ وصول کرتا ہے جو کہ اصلاً اس کے والدین سے وصول کیا جاتا ہے۔ تو کیا شرعاً یہ جرمانہ وصول کرنا جائز ہے؟

جواب: طالب علم کا مدرسہ وغیرہ سے انتظامیہ کی اجازت کے بغیر کثرت سے غیر حاضر رہنا یا دیگر کسی اخلاقی جرم کا ارتکاب کرنا اگرچہ موجبِ سزا ہے، مگر یہ سزا جسمانی حد تک محدود ہونی چاہئے، مالی جرمانہ وصول کرنا شرعاً درست نہیں ہے، نیز یہ بات بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ جرم تو طالب علم کرے اور سزا کے طور پر مالی جرمانہ اس کے والدین ادا کریں۔

چوروں کے خوف سے کتا پالنا

سوال: میرے گھر میں چار مرتبہ چوری ہو چکی ہے، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ حفاظت کی نیت سے گھر میں کتا پالوں تو اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کچھ کتابوں کے مطالعہ سے اتنا معلوم ہوا کہ شکار کے لیے اور کھیتی باڑی کی حفاظت کے لیے کتا پالنے کی گنجائش ہے، چونکہ ہمارے گھر میں بار بار چوری ہونے کی وجہ سے بچوں اور عورتوں کے دل میں دہشت اور خوف پیدا ہو گیا ہے تو اس حالت میں میرے لیے کتا پالنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں جب چوروں کا اس قدر خوف اور خطرہ ہے اور ان کے دفع کرنے کا کوئی اور حل سمجھ میں نہیں آرہا تو ایسی مجبوری کی صورت میں جان و مال کی حفاظت کی غرض سے کتا پالنا جائز ہے۔

حکومت کی طرف سے بطورِ امداد ی گئی رقم کا حکم

سوال: ایک شخص انگلینڈ میں مقیم ہے، ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی، کچھ روز بعد اس لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ وہاں کی حکومت ایسے موقع پر بطورِ امداد اپنی خوشی سے بچہ کے ماں باپ کو کچھ رقم دیتی ہے۔ اس رقم کا لینا کیسا ہے؟ اسے خود استعمال کر سکتا ہے یا کسی غریب کو دے دے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں جب حکومت بغیر طلب، بطورِ امداد اور غم خواری کے رقم دیتی ہے تو اسے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، خود بھی استعمال کر سکتے ہیں اور حاجت مندوں کو بھی دے سکتے ہیں۔

زندگی میں جائیداد کی تقسیم کا حکم

سوال: میری صرف لڑکیاں ہیں، میرے بھائی بہن صاحبِ مال ہیں اور ایک دوسرے کی وراثت کی تمنا نہیں رکھتے۔ اس حال میں بھی کیا میرے بھائی بہنوں کو ترکہ میں سے دیا جائے گا؟ اگر میرے بھائی بہن راضی ہوں تو میں اپنی لڑکیوں کو اپنی جائیداد وغیرہ بطورِ ہبہ دے سکتا ہوں؟ رہنمائی فرمائیں!

جواب: واضح رہے کہ انتقال کے بعد ترکہ کی تقسیم شرعی حکم ہے، جو بھی شرعاً وارث ہو، شریعت کے قانون کے مطابق اسے اس کا حق ملتا ہے، خواہ وارث مالدار ہو یا غریب! تقسیمِ وراثت اپنی مرضی کی چیز نہیں کہ جسے چاہیں دے دیں اور جسے چاہیں نہ دیں اور جو شرعی وارث ہے اسے بھی یہ حق نہیں کہ اپنا حصہ نہ لے، بلکہ شرعاً اسے اس کا حصہ ملے گا، ہاں! حصہ وصول کرنے کے بعد اسے حق حاصل ہے کہ جسے چاہے بخشش کے طور پر دے دے۔

باقی اپنی زندگی میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ترکہ کی تقسیم یا بالفاظِ دیگر تقسیمِ وراثت نہیں، یہ ہبہ اور بخشش ہے اور انسان کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے یہ حق ہے کہ اپنے مال میں جو چاہے تصرف کرے، لیکن اگر وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے اپنا مال کسی کو دے دے تو نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے تقسیم کنندہ گناہ گار ہوگا۔ اگر وارثوں کو محروم کرنے کی قطعاً نیت نہ ہو اور ورثاء بھی دل سے اس تقسیم پر راضی ہوں اور محض اس خیال سے کہ میرے انتقال کے بعد لڑکیوں کو تکلیف اور پریشانی نہ ہو، اپنی زندگی میں بخشش کر کے قبضہ دے کر مالک و مختار بنا دے تو اس کی گنجائش ہے۔

کلمہ شہادت پڑھ کر کسی کام کے نہ کرنے کا عزم کرنا اور اس کی خلاف کرنے کا حکم

سوال: عرض ہے کہ میں نے کسی کام کے نہ کرنے کے لیے کلمہ شہادت پڑھا اور یوں کہا: میں کلمہ شہادت پڑھ کر کہتا ہوں کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا۔'' لیکن کچھ ہی دن بعد میں نے وہ کام کر لیا، اس طرح میں نے کلمہ شہادت کا کیا ہوا عہد توڑ دیا۔ اب میں اپنے کیے پر نادم ہوں اور اللہ کے عذاب سے ڈر رہا ہوں کہ نہ جانے میرا کیا حشر ہوگا؟ برائے مہربانی مجھے کتاب و سنت کی روشنی میں بتائیں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کس طرح اس گناہ کا ازالہ ہوگا؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ کیا اس طرح کا جرم کرنے سے میں دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں ہوا؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں سائل قسم توڑنے سے خارج از اسلام نہیں ہوا، لیکن کفارہ ادا کرنا لازم ہے اور کفارہ یہ ہے کہ دس محتاجوں کو کھانا کھلائے اور اگر اس کی گنجائش نہ ہو تو تین دن روزہ رکھے۔

تیزپات کو عربی میں ''ساذج ہندی'' اور ہندی میں تج پات اور پترج کہتے ہیں'
جب کہ انگریزی میں LaurelBay یا SweetBay کہا جاتا ہے اور اس کا نباتاتی نام LaurusNobilis ہے۔

رازی نے لکھا ہے کہ اس کا مزاج تیسرے درجے میں گرم اور دوسرے درجے میں خشک ہے۔ شیخ الطب ابن سینا نے دوسرے درجے میں گرم و خشک بیان کیا ہے۔
اس پہاڑی درخت کا تنا درخت یوکلپٹس کی طرح سیدھا ہوتا ہے۔ اس کے خشک پتے دوائی میں استعمال ہوتے ہیں۔ حذاق اور اکابر حکماء کے اقوال کے مطابق ''ساذج'' کا لفظ اصل میں ''سادہ'' سے بنا ہے' کیوں کہ ان پتوں میں رگیں نہیں ہوتیں' اس لیے اِن کا نام بھی ''ساذج'' ہی رکھ دیا گیا۔ اس کے پتے موٹے اور خوش بُودار ہوتے ہیں۔ اس کی ٹہنیاں ابتدا میں بینگنی رنگ کی ہوتی ہیں' جو بعد میں سخت ہو کر بھوری ہو جاتی ہیں۔ بحیرۂ روم کا علاقہ اس کا اصل وطن ہے۔ اسے دھوپ پسند ہے' اس میں یہ خوب پھلتا پھولتا ہے۔ اسے کچھ ہلکے سائے کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ یہ پودا زرخیز زمین میں خوب اُگتا ہے۔

تیزپات اور خوشبو

تیزپات کے پتے مختلف مقاصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی اپنی مخصوص مہک ہوتی ہے جو پکوانوں کی تیاری کے لیے بڑی مناسب سمجھی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے اس کے پتے شوربوں کو خوشبودار بنانے کے لیے گچھے کی شکل میں پکنے کے دوران ڈال دیتے ہیں اور دسترخوان پر کھانا سجانے سے پیشتر اس کو نکال لیتے ہیں۔ اسے بھنے گوشت اور یخنیوں کی تیاری میں بھی استعمال کرتے ہیں۔
چاولوں کو خوشبودار بنانے کے لیے اسے چاول کے ڈبوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس طرح اس کی مخصوص خوشبو کچے چاولوں میں رچ بس جاتی ہے۔ کسٹرڈ اور پڈنگ کی تیاری میں بھی اسے استعمال کرتے ہیں۔ سرکہ کو خوشبودار بنانے کے لیے اسے سرکہ میں بھگو دیا جاتا ہے۔

لوبلڈ پریشر کا بہترین علاج

ہائی بلڈ پریشر کے لیے تو کئی ادویات دستیاب ہو جاتی ہیں لیکن اگر مریض کا بلڈ پریشر کم ہو جائے تو اکثر مریض چینی نمک کو پانی میں گھول کر پیتے ہیں۔ بعض اوقات نمک کا زیادہ استعمال بھی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ بعض مریض اس مقصد کے لیے ابلے ہوئے انڈے استعمال کرتے ہیں۔ ان کا کثرت سے استعمال بھی معدہ اور جگر پر بھاری پن پیدا کرتا ہے۔ چناں چہ ایسے مریض جن کا بلڈ پریشر لو رہتا ہو ان کو مندرجہ ذیل نسخہ استعمال کروانا چاہیے۔
ھوالشافی نسخہ : تیزپات 30 گرام چھوٹی الائچی 10 گرام خولنجان 30 گرام دار چینی 20 گرام۔

تمام ادویہ کوٹ چھان کر سفوف تیار کرلیں۔ صبح وشام دو چٹکی یہ سفوف تازہ پانی کے ہم راہ استعمال کروائیں اس سے نہ صرف لوبلڈ پریشر کی شکایت دور ہو جائے گی' بل کہ جن مریضوں کے لوبلڈ پریشر کی وجہ سے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اور پیشانی پر ٹھنڈے پسینے اور گھبراہٹ ہوتی ہے' ان تمام شکایات میں یہ سفوف نافع ہے۔

جالے اور دھند کا علاج

اس کو پیس کر آنکھ میں لگانے سے جالا کٹ جاتا ہے' دھند جاتی رہتی ہے۔ رطوبت کا سیلان موقوف ہو جاتا ہے۔ اگر ناخنہ آنکھ میں پڑ جائے تو اس کے لگانے سے کٹ جاتا ہے۔

موچ اور گٹھیا کا علاج

تیزپات کا فراری تیل موچ اور گٹھیا والے حصوں پر مالش کے لیے اچھا اور مفید ثابت ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اس میں تھوڑا سا عام تیل بھی شامل کرلیا جائے' مثلاً بادام' ناریل یا تِل کا تیل ورنہ خالص تیل سے جلن ہو سکتی ہے۔

تیزپات کے فوائد

- بھوک بڑھانے کے لیے اسے گرم پانی میں بھگو کر پھر چھان کر پینا چاہیے۔
- تیزپات کے استعمال سے پیشاب اور پسینہ کھل کر آتا ہے۔
- گردہ اور مثانے کی پتھری توڑ کر نکال دیتا ہے۔
- اگر منہ کی بدبو معدہ کی شراکت سے ہو تو وہ دور کر دیتا ہے۔
- جگر اور آنتوں کے درد کو اور یرقان اور استسقا کو دور کرتا ہے۔
- اعضائے شکم کو قوت دیتا ہے' حواس کو بھی قوی کرتا ہے۔
- خواتین میں اس سے دودھ کی افزائش بڑھ جاتی ہے۔
- تھوک زیادہ آنے اور منہ سے رال بہنے کو مفید ہے۔
- معدہ کی رطوبات کو خشک کرتا ہے۔
- اس کو زبان کے نیچے رکھنے سے لکنت جاتی رہتی ہے۔
- اس کے پتے پیس کر سر کہ میں ملا کر بغل اور کنج ران میں لگانے سے بدبو دور ہو جاتی ہے۔ بدن کی قوتوں کی حفاظت کرتا ہے۔
- اس کو دانتوں پر ملنے سے کیڑا نہیں لگتا۔ دانت مضبوط ہو جاتے ہیں۔
- چدل کو قوت دیتا ہے اور دردِ دل کو نافع ہے۔
- اس کی چھال سوزاک میں استعمال کرائی جاتی ہے۔
- مقعد کے تمام امراض میں نافع ہے۔
- اس کی چھال کو پیس کر پھنکانے سے پیٹ کا ریاحی درد جاتا رہتا ہے۔
- اس کے پتوں کا مرض گٹھیا میں لیپ کرتے ہیں۔
- یہ ریاحی درد اور اُبکائی کو دور کرتا ہے۔
- سانپ اور افیون کے زہروں کو اتارتی ہے۔
- اس کے پتوں اور پھلوں کا تیل دواؤں کے استعمال میں آتا ہے۔
- اس کی چھال کا جوشاندہ پلانے سے کھانسی اور پیٹ کا نفخ رفع ہو جاتا ہے۔
- اس کی چھال احشا کی کم زوری' فتق' اعصاب اور سینہ کے امراض' رحم کا درد' پیشاب اور خون کی رکاوٹ جیسے کئی امراض کو زائل کرتی ہے۔
- معدہ اور جگر کی سردی کے لیے بہت مناسب ہے۔ اس کے استعمال سے پرانا درد جگر و طحال (تلّی) جاتا رہتا ہے۔
- تیزپات کے پتوں کی دھونی تسہیلِ ولادت میں مفید ہے اور مشیمہ بھی اس دھونی سے جلد نکل جاتا ہے۔
- دافع تعفن ہونے کی وجہ سے تیزپات کے پتوں کو کپڑوں میں رکھ دیتے ہیں تاکہ کیڑا نہ لگے۔
- اس کی چھال سے لعوق بنا کر چٹانے سے شکم' سینے اور پٹھوں کی کمزوری دور ہو جاتی ہے۔
- اس کے پتوں کو اُبال کر پینے سے دستوں کے ذریعے سوداویت خارج ہو جاتی ہے۔
- اس کا تیل روغن زعفران کی طرح قوت رکھتا ہے' بل کہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔
- تیزپات کے جوشاندے سے آبزن کرنے سے رحم کا درد موقوف ہو جاتا ہے۔
- اس کو باریک پیس کر آنکھوں میں لگانے سے آنکھوں کی کمزوری دور ہو جاتی ہے۔
- اس کا حلوہ بنا کر کھانے سے سردی کا خفقان رفع ہو جاتا ہے۔
- اس کے فوائد لونگ سے ملتے جلتے ہیں' اس لیے ایک دوسرے کی جگہ کام میں آسکتے ہیں۔
- نہانے کے پانی میں تیزپات کا جوشاندہ شامل کرلینے سے جلد تروتازہ اور جسم کے درد کم ہو جاتے ہیں۔
- گرم مزاج رکھنے والوں کے لیے یہ مضر ہے۔ چناں چہ ایسے مریضوں کو ہم راہ صندل یا مصطگی استعمال کروانا چاہیے۔
- مریض کے ارد گرد فضا کو مہکانے کے لیے کسی صاف ململ کے کپڑے میں چورا کیے ہوئے تیزپات باندھ کر کمروں وغیرہ میں لٹکانے سے فضا خوش بودار ہو جاتی ہے۔
- سر کی خشکی دور کرنے کے لیے تیزپات کے پتوں کو گرم پانی میں بھگو کر اور پھر چھان کر بالوں کی جڑ میں لگانے سے فائدہ ہوتا ہے۔
- تیزپات کے پتے مقوی معدہ و دماغ ہیں' خفقان' وسواس' جنون اور ضعفِ معدہ میں استعمال کرتے ہیں۔ معدہ کی اصلاح کرتے ہیں' ریاح کو تحلیل کرتے ہیں۔

pg24
zuyufur
06

نفیسہ بنت حسنؒ

نفیسہ بنت حسنؒ 134ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ سلسلۂ نسب حضرت علیؓ سے ملتا ہے۔ مدینہ منورہ کی علمی فضاؤں میں تعلیم و تربیت کے مدارج طے ہوئے۔ بڑے بڑے علما سے شرفِ شاگردی پایا۔ ان کی شادی امام جعفر صادقؒ کے صاحبزادے اسحاقؒ سے ہوئی۔ شادی کے بعد مصر میں سکونت اختیار کی۔

قرآن کریم کی حافظہ تھیں اور تفسیر پر عبور رکھتی تھیں۔ زہد و عبادت، ورع و تقویٰ اور نیکی و صالحیت کے اونچے مرتبے پر فائز تھیں۔ انھوں نے 30 حج کیے۔ حج کے موقع پر غلافِ کعبہ سے لپٹ جاتیں اور یوں دعا مانگتیں۔

اِلٰهِیْ وَسَیِّدِیْ وَمَوْلَایَ! اَمَتِّعْنِیْ وَقَرِّحْنِیْ بِرِضَاكَ عَنِّیْ

عبادت کا اتنا غلبہ تھا کہ ایک روز خدمت گار نے ان سے کہا:

"کیا آپ اپنے آپ پر ترس نہیں کرتیں؟"

فرمایا: "کیسے ترس کروں، جب کہ میرے آگے دور تک ایسی وادیاں پھیلی ہیں، جنہیں کوئی آرام طلب طے نہیں کر سکتا۔" کثیر المال تھیں اور ان کا تمام مال مریضوں، جذامیوں اور حاجت مندوں پر خرچ ہوتا۔ امام شافعیؒ مصر تشریف لائے تو ان کی بھی مالی امداد کی۔ موت کے وقت امام شافعیؒ نے اپنا جنازہ ان کے گھر کے سامنے سے گزارنے کی وصیت کی اور اس طرح انھوں نے امام صاحب کا جنازہ ادا کیا۔

مصر کے حکمران کی ستم ظریفیاں اور ظلم، عوام پر جب حد سے بڑھ گیا تو حاکم کے نام ایک رقعہ لکھا جس کا لُبِ لُباب یہ ہے کہ:

"تمہیں جو ظلم کرنا ہے کر لو، مگر تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سحری کے وقت لوگوں کی زبانوں سے جو آہوں کے تیر نکلتے ہیں، وہ کبھی خطا نہیں جاتے، وہ ٹھیک نشانے پر بیٹھتے ہیں، یہ ناممکن ہے کہ مظلوم مر جائے اور ظلم آب و تاب کے ساتھ دنیا میں باقی رہے۔ تم ستم رانی کا مظاہرہ کرو، ہم اس کا بدلہ لینے کے لیے اللہ کو پکاریں گے۔" حاکم ان کا طویل رقعہ پڑھ کر سر جھکا کر رہ گیا۔

نفیسہ نے اپنے مکان ہی میں اپنے ہاتھ سے اپنی قبر کھودی تھی۔ روزانہ اس قبر میں اترتی اور قرآن پڑھتی۔ اس قبر میں انھوں نے 190 قرآن ختم کیے۔ وہ روزے سے تھیں کہ 63 سال کی عمر میں 208ھ میں انتقال کر گئیں۔ وقتِ مرگ لوگوں نے روزہ چھوڑنے پر اصرار کیا۔ لوگوں کے اصرار پر فرمانے لگیں کہ "تیس سال سے اللہ کے حضور دعا مانگ رہی ہوں کہ اس سے روزے کی حالت میں ملوں، کیا تم چاہتے ہو کہ اب روزہ چھوڑ دوں...؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔"

پھر سورۃ انعام کی یہ آیت پڑھی:

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

ترجمہ: "ان کے لیے ان کے نیک اعمال کے صلے میں پروردگار کے ہاں سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کا دوست ہے۔" پھر بے ہوشی طاری ہوئی اور اسی عالم میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ملے۔ آمین

ناظر کی دعا

کائنات عبدالمجیب

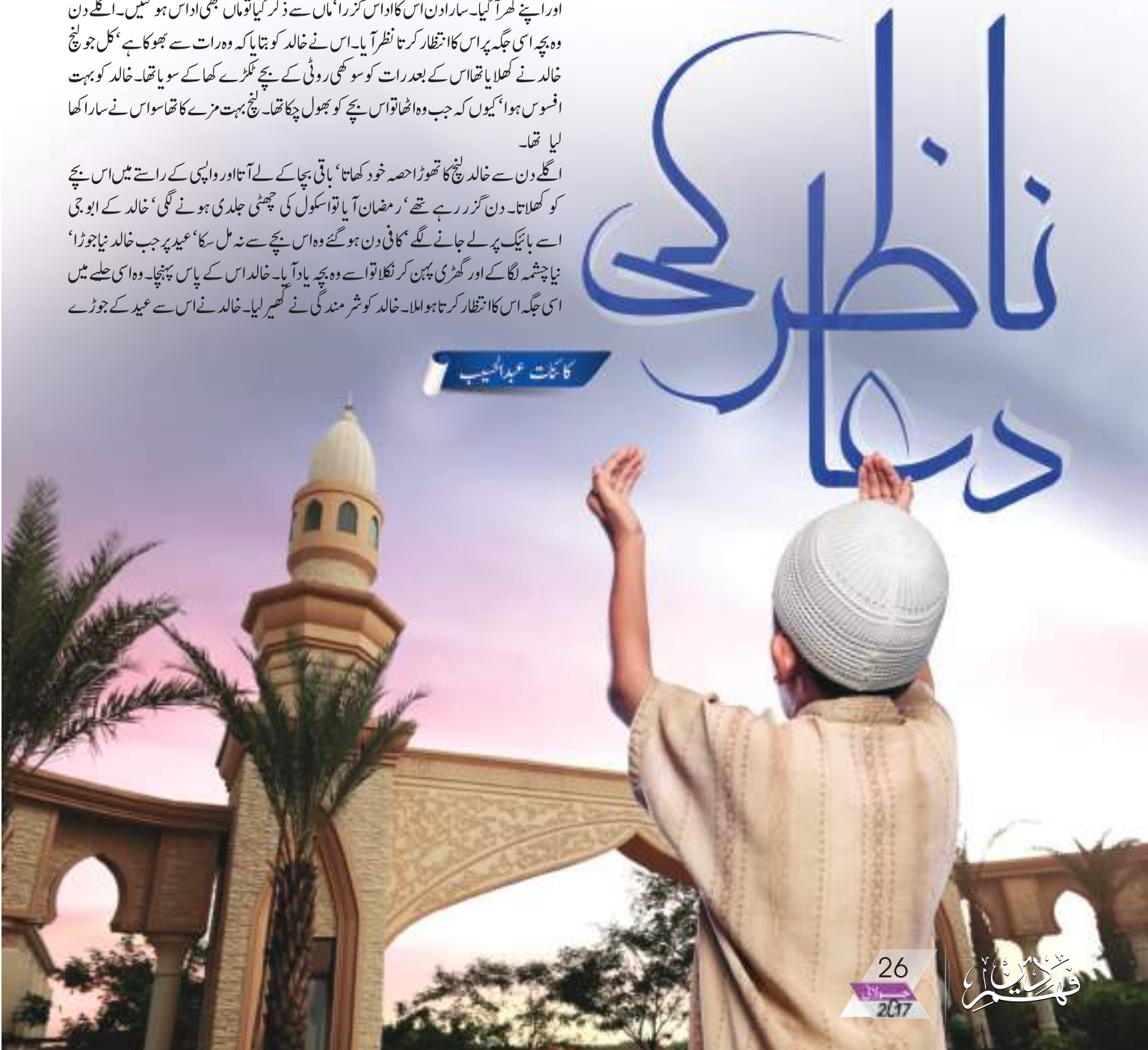

"سر جی۔آپ کی کال آئی ہے۔" سیٹھ خالد اعوان کے پی اے نے انہیں فون تھمادیا۔وہ اس وقت اپنے عالی شان گھر کے ڈرائنگ روم میں میٹنگ میں مصروف تھے۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ!"

"سیٹھ صاحب آپ کی فیکٹری میں آگ لگ گئی۔لگ بھگ کروڑ کے نقصان کااندیشہ ہے۔"

جلدی جلدی انہیں کوئی باخبر کر رہا تھا۔انہوں نے اوکے کہہ کر کال ڈراپ کر دی۔اور ایکسکیوز کر کے اپنی سٹڈی میں آگئے۔ادھر ادھر کال کرنے کے بجائے انہوں نے وضو کیااور دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے خیر وعافیت کی دعا کی۔

سیٹھ خالد اعوان کی کہانی بڑی عجیب وغریب کہانی تھی۔دنیا حیرت کرتی تھی کہ ان کے کاروبار کو' گھر کو' غرض ان سے منسلک کسی بھی چیز کو نقصان نہیں پہنچتا تھا' جب بھی ان کو کسی نقصان کی اطلاع ملتی ان کی آنکھوں میں اپنا بچپن گھوم جاتا۔

وہ جون کا مہینہ تھا' گرمی کی تپش اتنی کہ لوگ اپنے گھروں میں اے سی چلا کر بھی گرمی گرمی کا شور کرتے تھے' لیکن خالد کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔اس کے والد گورنمنٹ میں ملازم تھے' اس کے علاوہ پارٹ ٹائم اپنا کام بھی کرتے تھے' بہت زیادہ اچھی نہیں' لیکن بہت سوں سے اچھی زندگی گزر رہی تھی' لیکن اے سی کی سہولت ان کے گھر میں نہ تھی۔ سو وہ روزانہ اسکول جانے سے پہلے اور اسکول سے آتے ہی غسل کر لیا کرتا تھا۔خالد کے والدین نے اسے ہمیشہ صبر اور شکر کا سبق سکھایا تھا جو اسے ازبر تھا۔

سال میں اس کے چار پانچ جوڑے بنتے۔ایک رمضان میں' ایک چھوٹی عید پر' ایک بڑی عید پر' اسی طرح باقی سال میں ایک دو جوڑے بن جاتے۔وہ اس پر بھی بہت خوش ہوتا اور شکر ادا کرتا۔وہ ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ایک دن اپنے اسکول سے گھر کی طرف آرہا تھا کہ ایک بچہ جو تقریباً پانچ سال کا تھا ایک جھٹکے سے اس کے پیروں میں آگرا اور زور سے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔

خالد نے اپنا بیگ ایک کونے میں رکھا اور بچے کو بہ مشکل اٹھا کر قریب ہی چبوترے پر بٹھالیا۔اس کے چہرے پر جا بجا نیل پڑے تھے۔انگلیوں کے نشان چھپے تھے۔وہ بری طرح رو رہا تھا۔خالد نے اپنی اسکول کی بوتل سے پانی نکال کے اسے پلایا۔جب وہ خاموش ہو گیا تو اس نے بتایا کہ اس کے ماں باپ کا انتقال ہو چکا ہے' وہ اپنے چچا چچی کے ساتھ رہتا ہے' چچی اور اس کے بچے اسے بہت مارتے ہیں۔آج اس نے سب سے چھپ کے چچا سے عید کے جوڑے کا کہا تو چچا نے چچی کو اس کے جوڑے کے لیے رقم دی' ان کے جانے کے بعد چچی نے اسے بہت مارا اور باہر نکال دیا۔

وہ معصوم بچہ اپنوں کا ستایا ہوا تھا۔خالد نے اپنا بچا ہوا لنچ اسے کھلایا اور اسے واپس گھر کے اندر کیا اور اپنے گھر آگیا۔سارا دن اس کا اداس گزرا' ماں سے ذکر کیا تو ماں بھی اداس ہو گئیں۔اگلے دن وہ بچہ اسی جگہ پر اس کا انتظار کرتا نظر آیا۔اس نے خالد کو بتایا کہ وہ رات سے بھوکا ہے' کل جو لنچ خالد نے کھلایا تھا اس کے بعد رات کو سوکھی روٹی کے بچے ٹکڑے کھا کے سویا تھا۔خالد کو بہت افسوس ہوا' کیوں کہ جب وہ اٹھا تو اس بچے کو بھول چکا تھا۔لنچ بہت مزے کا تھا سو اس نے سارا کھا لیا تھا۔

اگلے دن سے خالد لنچ کا تھوڑا حصہ خود کھاتا' باقی بچا کے لے آتا اور واپسی کے راستے میں اس بچے کو کھلاتا۔ دن گزر رہے تھے' رمضان آیا تو اسکول کی چھٹی جلدی ہونے لگی' خالد کے ابو جی اسے بائیک پر لے جانے لگے' کافی دن ہو گئے وہ اس بچے سے نہ مل سکا' عید پر جب خالد نیا جوڑا' نیا چشمہ لگا کے اور گھڑی پہن کر نکلا تو اسے وہ بچہ یاد آیا۔خالد اس کے پاس پہنچا۔وہ اسی حلیے میں اسی جگہ اس کا انتظار کرتا ہوا ملا۔خالد کو شرمندگی نے گھیر لیا۔خالد نے اس سے عید کے جوڑے

کے بارے میں پوچھا' جس پر اس کے آنسو نکل آئے' وہ بتانے لگا: ''پچھلے سال جب میری ماں زندہ تھیں' سلائی کڑھائی کر کے میرے لیے عید کے جوڑے کے پیسے جمع کرتی تھیں۔ عید آتی تو مجھے تیار کرتیں' سرمہ لگا کے چشمہ اور گھڑی پہنا کے مجھے تیار کرتی تھیں' مجھے جھولے پر لے جاتیں۔'' وہ پچھلی عید میں گم ہو گیا جیسے۔ ''اب میری ماں نہیں رہیں خالد بھائی۔۔ میں نے تو کئی دن سے کپڑے نہیں بدلے۔'' خالد بھی اس کے ساتھ رونے لگا' اسے اپنے ساتھ گھر لے آیا۔ اس کا منہ ہاتھ دھلایا۔ اپنی امی سے اس کے سر میں لگوایا۔ اپنا چھوٹا سوٹ نکال کر اسے پہنایا۔ وہ اپنے آپ کو کئی عرصے بعد صاف ستھرا دیکھ کر بہت خوش ہوا' خالد کی امی نے اسے سویاں بھی کھلائیں اور مٹھائی بھی۔ اس نے اچانک ہی خالد کو دعا دی:

''اللہ پاک آپ کو کبھی ناکام نہ کرے خالد بھائی!''

اور اچھلتا کودتا خوش خوش گھر چلا گیا۔

عید کے بعد خالد اسکول گیا تو اس بچے کو مخصوص جگہ پر نہ پا کر اس کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ کوئی دس بارہ سال کا لڑکا تھا جس نے دروازہ کھولا۔

''مجھے ناظر سے ملنا ہے۔'' خالد نے کہا۔

''آپ خالد ہو بھائی؟'' وہ لڑکا تیزی سے بولا۔

''جی مگر۔۔''

''ناظر اب اس دنیا میں نہیں رہا۔'' وہ لڑکا کہنے کے ساتھ ہی رونے لگا۔

''کیا۔۔؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔۔؟؟؟'' خالد سن کھڑا رہ گیا۔

وہ لڑکا اسے اپنے ساتھ اندر لے آیا۔ سادہ سا کمرہ تھا' زمین پر ہرے رنگ کی چٹائی بچھی تھی' خالد کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے وہ خود بھی چٹائی پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں اب پنکھے کی گھر گھر اور اس کی سسکیوں کی آواز تھی۔ کافی دیر بعد اس کی آواز آئی۔

''عید کے دن وہ تیار ہو کر آپ کے گھر سے آیا' میری ماں سمجھی کہ میرے ابا نے اسے کپڑے جا کے دیے ہیں اور تیار کیا ہے۔ ابا کے جانے کے بعد اماں نے اسے بہت مارا' وہ روتے روتے کہتا رہا مجھے خالد بھائی کی امی نے تیار کیا ہے' اللہ خالد بھائی کو کبھی ناکام نہ کرے' جب میری ماں مارتے مارتے تھک گئی تو اسے گھر میں بند کر کے ہم سب عید منانے اپنی نانی کے گھر چلے گئے۔ رات کو گھر آ کے جب میں اس کے برابر میں لیٹا تو وہ بخار کی شدت سے پھنک رہا تھا۔ میں جو اس سے شدید چڑتا تھا' یک دم ہی اس پر ترس آیا۔ نانی کے گھر سے جو کھانا لائے تھے اسے کھلایا۔ دوا دے کے سلا دیا۔ وہ مجھے دعائیں دینے لگا۔ ساتھ ہی آپ کو یاد کرتا رہا اور آپ کو بھی دعائیں دیتا کہ اللہ خالد بھائی کو کبھی ناکام نہ کرے۔ اللہ خالد بھائی کو کبھی ناکام نہ کرے۔ یہ کہتے کہتے سو گیا اور صبح اٹھا ہی نہیں۔''

وہ لڑکا ہچکیوں سے رونے لگا۔ خالد ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ جب وہ بولا تو اس کی آواز بھرا رہی تھی۔

''یہ کیا کیا ہے تم لوگوں نے۔۔۔؟ کیا تم لوگ مسلمان نہیں ہو۔۔؟ کیا تم نے نبی پاک ﷺ کا ارشاد نہیں سنا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے سے جتنے سر پر بال ہوتے ہیں اتنی نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ یتیم کی کفالت کرنے والے کی مغفرت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یتیموں سے کتنا پیار کرتے ہیں۔'' خالد یہ کہہ کر اٹھا اور تیزی سے گھر سے باہر نکل گیا۔

کئی دن تک وہ ناظر کے غم میں بیمار ہو گیا۔ پھر اس کے ابو نے اسے سمجھایا۔ اب وہ روز اپنا لنچ بچا کے اسکول سے واپسی میں کسی بھوکے بچے کو ڈھونڈتا اور کھلاتا۔

چند ہی دن بعد خالد کے والد جو پارٹ ٹائم اپنا کام کرتے تھے اس میں برکت ہونے لگی۔ خالد کو اب لنچ بھی اچھے سے اچھا ملتا اور وہ روز آدھا لنچ کسی بچے کو کھلاتا' خالد میٹرک میں ہو گیا تو اس کے والد نے جاب چھوڑ کر اپنی ایک کمپنی بنالی۔ دن گزرتے گئے' خالد نے ایم بی اے کر لیا اور اپنے والد کے ساتھ آفس جانے لگا۔ والد کے انتقال کے بعد خالد نے ان کی کرسی سنبھال لی۔ اب وہ اپنی کمپنی کا آدھا پرافٹ غریبوں پر خرچ کرتا تھا۔ خود گھر گھر جا کے بچوں کو کھانے اور کپڑے دیتا' یوں کئی بھوکے ناظر اسے ہاتھ اٹھا کے دعا دیتے' وقت گزرتا گیا' اب خالد سیٹھ خالد اعوان کے نام سے جانا جانے لگا' کتنی بھی اہم میٹنگ ہو' نماز کا وقت ہوتا تو وہ نماز پڑھتا اور ناظر کے لیے دعا بھی کرتا۔ ابھی وہ اپنے ماضی میں گم تھے کہ فون کی بیل ایک بار پھر بجی۔

''سیٹھ صاحب۔ آپ کی سنگاپور والی کمپنی میں تین کروڑ کا نفع ہوا ہے' یعنی ڈبل نفع۔'' سیٹھ خالد نے اچھا کہہ کر لائن ڈسکنکٹ کر دی اور ایک بار پھر سجدے میں اپنے رب کا شکر ادا کرنے لگے۔

''آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟'' اس کی ضد کے آگے میں جھنجھلا اٹھا۔

''ملازمت۔'' وہ خفیف مسکراہٹ سے بولا۔

''چلیں! آپ صرف اس راز سے پردہ اٹھا دیں اور اپنی ملازمت پکی سمجھیں۔'' میں نے تھکے ہارے لہجے میں کہا۔

''اچھا! تو آپ چاہتے ہیں کہ میں اس راز سے آگاہ کر دوں؟'' اس نے میز پر قدرے جھکتے ہوئے پُراسرار انداز میں پوچھا۔

''ہاں!'' میں نے بے تاب ہو کر کہا۔

''ٹھیک ہے' میں بتا دیتا ہوں' لیکن۔۔۔۔'' وہ پُراسرار انداز میں مسکرایا۔

''لیکن کیا؟'' میں نے جلدی جلدی کہا۔

''اس صورت میں آپ کے ہاں کام نہیں کروں گا۔''

''کیا!!!'' میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

کچھ دیر کمرے میں سکوت طاری رہا۔ وہ آدمی میرے لیے عجوبہ ثابت ہو رہا تھا۔ اس کا معاملہ حد درجے پُراسراریت اختیار کر چکا تھا۔ میں اسے ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہا تھا جب کہ اس کے چہرے پر بدستور مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ عجیب سے لہجے میں گویا ہوا: ''اگر آپ جاننا ہی چاہتے ہیں تو سنیے۔'' اب میں پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ پلک جھپکنا تک بھول گیا تھا۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس کے لب ہلے: ''میں نے بڑی بڑی کمپنیوں میں کام کیا ہے۔ اپنے کام میں محنت' لگن کی وجہ سے جلد ہی ترقی کی منازل طے کرتا گیا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مجھے بیرون ملک سے آفریں موصول ہوئیں۔ مختلف کمپنیاں اعلیٰ سے اعلیٰ معاوضے پر مجھے بلاتی رہیں۔ اس طرح میں نے دنیا کی سیر بھی کی۔ میرے پاس کسی چیز کی کمی نہ تھی' مگر نجانے کیوں بہترین سہولیات اور پُرکشش تن خواہ کے باوجود میری زندگی میں ایک خلا برقرار رہا۔ میں سمجھ نہ پایا کہ یہ کیسا خلا ہے؟ پہلے میرا خیال تھا کہ تمام مسائل کا حل پیسے میں ہے۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ صرف پیسوں سے خوشیاں حاصل نہیں کی جا سکتیں۔ صرف پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔

یہ کہہ کر وہ رک گیا اور خلا میں تکنے لگا۔''

پھر وہ دوبارہ گویا ہوا: ''اسی دوران ایک مرتبہ میں زندگی میں پہلی بار جمعہ پڑھنے کے لیے ایک مسجد میں گیا' امام صاحب فرما رہے تھے: خواہش تو بادشاہ کی بھی پوری نہیں ہوتی اور ضرورت فقیر بھی کسی نہ کسی طرح پوری کر ہی لیا کرتا ہے' اس لیے کہ بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ دنیا کی زندگی قید خانہ ہے اور آخرت کی زندگی ہی ہمیشہ والی زندگی ہے اور قیدی کبھی خوش نہیں ہوتا' کیوں کہ وہ ہمیشہ قید کی زندگی سے آزاد ہونے کی سوچتا رہتا ہے۔''

بس وہ بولتے چلے گئے اور یہیں سے میری گتھی سلجھتی چلی گئی۔ میں سمجھ گیا کہ یہی بے چینی ہے' جو مجھے فکر مند کیے جا رہی ہے۔ اب میں اسی حقیقی زندگی کے لیے تیاری کرنا چاہتا ہوں' کیوں کہ زندگی کا مقصد صرف مال ہی کمانا نہیں' بل کہ آنے والی زندگی کے لیے نیکیاں کمانا بھی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ جھٹکے سے اٹھا اور جلدی سے کمرے سے نکل گیا۔ مگر میری نظر اس سبق پر تھی' جو وہ مجھے دے گیا تھا اور اس سیٹ پر تھی' جہاں پر وہ مجھے یہ سبق دے گیا تھا۔

شام کے آنسو

بنتِ محمود رحیم

عائشہ اور حمزہ اپنے چھوٹے سے گھر میں لیٹے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ عمر کھانے کی تلاش میں باہر گیا ہوا تھا۔ کیوں کہ ایک دن مزید گزر چکا تھا' انھوں نے کچھ نہ کھایا تھا اور ویسے بھی عمر زیادہ تر باہر ہی ہوتا کبھی کسی کی مدد کے لیے بھاگتا تو کبھی دوسرے کی طرف۔ بارش مسلسل ہو رہی تھی' سردی میں بے انتہا اضافہ ہو چکا تھا یا شاید یہ ''بے گھر'' ہو چکے تھے۔ شاید اسی لیے ان کو سردی زیادہ ہی لگ رہی تھی۔

''اُختی! میں ٹھیک ہو جاؤں گا ناں؟'' ننھا حمزہ اپنی نحیف سی آواز میں عائشہ سے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں میری جان! تمھیں ٹھیک ہونا پڑے گا۔ اپنے لیے' عمر کے لیے اور میرے لیے' سب کے لیے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری ''پتا نہیں ہمارے ملک کے حالات کب ٹھیک ہوں گے۔ ہمیں اس کے حالات کو ٹھیک کرنے میں حصہ لینا ہوگا۔'' عائشہ نے بولتے ہوئے حمزہ کی طرف دیکھا جو کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

''میں عمر بھیّا کو ڈرپوک کہا کرتا تھا' لیکن حقیقت میں وہ کتنے بہادر ہیں ناں؟ کتنا کام کر رہے ہیں؟ کتنی نیکیاں سمیٹ رہے ہیں اور میں؟؟'' حمزہ رو رہا تھا۔

عائشہ کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

''تم دل چھوٹا نہ کرو۔ تم جلدی ٹھیک ہو جاؤ گے؟'' اس نے حمزہ کے بال سہلائے' لیکن حمزہ کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ اس کے زخم کے جراثیم پورے جسم میں پھیلنا شروع ہو گئے تھے' کیوں کہ اس کا علاج نہ ہو سکتا تھا۔

''اُختی! یہ دیکھیں میں کیا لایا ہوں؟؟'' عمر تیزی سے گھر میں داخل ہوا۔ دونوں

''اُختی! دیکھیں میں نے دو گڑھے کھودے ہیں۔ نذیر انکل کا بیلچہ گارڈن کے کونے میں رکھا تھا۔ میں نے دو دن لگا کر اس کو کھودا ہے۔'' عمر اسے بتا رہا تھا۔ ان تینوں کی حالت ردّی تھی۔ 2 دن سے انھوں نے چند بسکٹس کے سوا کچھ نہ کھایا تھا۔ گارڈن کے کونے سے ان کو نذیر انکل (مالی) کی چند چیزیں ملی تھیں' جن میں ایک پانی کی بوتل اور چند بسکٹس کے پیکٹ تھے۔ سردی سے ان کا برا حال تھا۔ بارش ہے کہ رکنے کا نام تک نہیں لے رہی تھی۔ اس کا حل عائشہ نے یہ نکالا تھا کہ اس نے ملبے کا 2 قطاروں پر مختلف سمتوں میں تھوڑا لمبا ڈھیر لگا دیا تھا اور اس کے اوپر ٹوٹا ہوا دروازہ جو اس کو اپنے گھر کے ملبے سے ملا تھا وہ اس کے اوپر رکھ دیا تھا تو یہ ان کا ایک چھوٹا سا گھر بن چکا تھا' لیکن یہ گھر ان کو سونے کی جگہ تو میسر کر دیتا تھا' لیکن ان کو سردی سے نہ بچا پاتا۔ حمزہ کا زخم بگڑتا جا رہا تھا۔ وہ اکثر غنودگی کی حالت میں رہتا۔

''گڑھوں کا کیا کرنا ہے؟'' عائشہ نے ناسمجھی کی سی حالت میں اس کی طرف دیکھا۔

عمر کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

''اُختی! اَبی مجھے کہا کرتے تھے' بیٹا! میرا جنازہ تم پڑھانا کسی اور سے نہ پڑھوانا' کیوں کہ ایک بیٹا اپنے باپ کے لیے زیادہ دعا کر سکتا ہے'' اس نے اپنی آنکھوں کو صاف کیا ''ہم ان دونوں کو دفن کر دیتے ہیں۔ پتا نہیں لوگ ہماری مدد کو کب آئیں؟ بارش یا جانور وغیرہ ان کے جسم کو خراب نہ کر دے۔'' عائشہ حیرت سے اپنے اس بھائی کو دیکھ رہی تھی جس کو وہ اور حمزہ ڈرپوک کہا کرتے تھے۔ حالات نے اس کو صرف 2 دن میں کتنا بڑا بنا دیا تھا۔

''میں بھی ساتھ چلوں گا۔'' حمزہ نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''تم بیٹھے رہو۔'' عائشہ نے اس کو ٹوکا۔

''نہیں اُختی! میں عمر بھیا سے پیچھے رہ جاؤں؟ اَبی اُمی مجھ سے ناراض ہوں گے۔''

عائشہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے دونوں بھائی کتنے بڑے ہو چکے تھے۔

اس کی طرف متوجہ ہوئے۔اس کے ایک ہاتھ میں شاپر تھا،جس میں بچا ہوا کھانا اور کچھ پھل تھے اور دوسرے ہاتھ میں ایک چادر (شال) تھی۔

''یہ کیا ہے؟؟''عائشہ نے پوچھا۔

عمر خاموشی سے اس شاپر میں سے کچرا الگ کرنے لگا اور باقی بچا ہوا کھانا صاف کرنے لگا۔حمزہ سے برداشت نہ ہو سکا اور اس نے اس میں سے کھانا شروع کر دیا۔عمر بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔اس وقت انھیں یہ بچا ہوا کھانا بھی بہت لذیذ لگ رہا تھا۔عائشہ رو پڑی۔وہ جان گئی تھی کہ وہ یہ ''کھانا'' کہاں سے لایا ہے۔حالات نے اس کو کوڑے میں پھینکے گئے بچے ہوئے کھانے پر مجبور کر دیا تھا،پھر وہ بھی کھانے لگی۔لیکن چند لقموں کے بعد اس نے ہاتھ کھینچ لیا اور ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔اس کے دونوں بھائیوں کی بھوک ختم نہ ہوئی تھی۔وہ انھیں کہیں سے کھانا لا کر تو نہ دے سکتی تھی،لیکن اپنا حصہ تو دے سکتی تھی۔

''عمر بھیا!آپ میرے لیے سوئیٹر کیوں نہیں لائے تھے؟''حمزہ اس سے روتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔بارش رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی اور زمین پر پانی جمع ہو چکا تھا،لیکن وہ وہیں رہنے پر مجبور تھے۔حمزہ چھوٹا تھا۔اس سے اب سردی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

''کچھ انکلز آئے تھے اور وہ سب کو کھانا بھی دے رہے تھے اور گرم کپڑے بھی۔کھانے والی جگہ پر بہت رَش تھا۔اتنے سارے بچے بھی تھے اور بڑے بھی۔مجھے تھوڑا سا کھانا ملا تھا اور ایک سوئیٹر اور شال ملی تھی۔میں ان کو لے کر آ رہا تھا کہ راستے میں ایک بوڑھے انکل ملے،جن کو کھانا نہ مل سکا تھا تو میں نے ان کو دے دیا،کیوں کہ ہم نے ایک دن پہلے بسکٹس تو کھائے تھے ناں؟وہ تو پتا نہیں کب کے بھوکے ہوں گے۔اُختی!میں نے صحیح کیا ناں؟''عمر نے عائشہ سے پوچھا تو اس نے اثبات میں اپنا سر ہلایا۔

''اور سوئیٹر؟؟''حمزہ نے فوراً پوچھا۔

''وہ،وہ تو میں نے اَرسل کو دے دیا۔''عمر نے حمزہ کے دوست کا نام لیا۔

''کیوں؟؟''حمزہ کے چہرے پر کرب نمایاں تھے۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔اس کے سارے گھر والے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔اس کی صرف ایک آپی رہ گئی تھیں۔دونوں کو بہت تیز بخار تھا،لیکن اس کی آپی کو کچھ لوگ لے گئے تھے اور اَرسل اکیلا رہ گیا۔وہ پھر علی لوگوں کے پاس چلا گیا تھا۔علی کے ماما،پاپا زخمی تھے...''عمر روانی سے بتاتے بتاتے رک گیا۔

''اُختی!وہ آپی کو لے کر کیوں گئے ہوں گے؟؟''

عائشہ لرز اٹھی۔ان حالات میں بھی اوباش لوگوں کو حیا نہ آئی تھی اور وہ اپنا کام بدستور کر رہے تھے۔عائشہ کو اس وقت پہلی مرتبہ خوف محسوس ہوا،کیوں کہ وہ بھی محفوظ نہ تھی۔

''عمر!حمزہ!خوش ہو جاؤ''عائشہ خوشی سے کہتے ہوئے اندر آئی''ہم رات کے وقت یہاں سے چلے جائیں گے۔''

''کہاں؟؟''سوال عمر کی طرف سے آیا۔

''ترکی...علی کے والدین سے بات ہوئی ہے،ان کے رشتے داروں کا ایک گروپ ترکی جا رہا تھا،تو وہ بھی ان کے ساتھ جائیں گے اور وہ لوگ ہمیں بھی ان کے ساتھ لے جائیں گے۔''عائشہ کے چہرے سے خوشی عیاں تھی،لیکن عمر...عمر کا چہرہ بجھ چکا تھا۔

''کیوں...تمھیں خوشی نہیں ہوئی؟''عائشہ نے حیرت سے عمر کو دیکھا۔

''نہیں...ہم اپنے ملک کو کیوں چھوڑیں۔یہاں پر تو اَبی اور اُمی ہیں،یہاں تو انبیا دفن ہیں۔کیا وہ ہم سے نہیں پوچھیں گے کہ مشکل وقت میں تم اس جگہ کو کیوں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔''عمر جذباتی انداز میں کہہ رہا تھا۔عائشہ اداسی سے مسکرائی۔

''نہیں...ہم ہمیشہ کے لیے تو نہیں جا رہے۔جب شام کے حالات ٹھیک ہو جائیں گے،تو ہم واپس آ جائیں گے۔ابھی یہاں سے جانے کی ضرورت ہے۔''

اس نے بے بسی سے حمزہ کی طرف دیکھا جو رات سے بے ہوش تھا۔اس کو اب تک ہوش نہیں آیا تھا۔اس کا جسم سردی کی وجہ سے نیلا ہوتا جا رہا تھا۔

''تم اس کو دیکھو ناں...اگر اس کا علاج نہ کروایا گیا تو یہ کیسے ٹھیک ہو گا؟''عمر نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

''عمر جلدی چلو،حمزہ کو جگاؤ،وہ لوگ نکلنے کا کہہ رہے ہیں؟''عائشہ کا سانس پھولا ہوا تھا۔

''کیوں رات کو نہیں جانا تھا کیا؟؟''عمر نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں!جانا تو رات کو تھا،لیکن ان علاقوں میں بمباری زیادہ ہو رہی ہے،یہ نہ ہو اس وجہ سے ہم لوگ نکل ہی نہ پائیں۔اچھا جلدی کرو حمزہ کو...''اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔حمزہ بھی ان کو دھوکا دے گیا تھا۔اس کی گردن ڈھلک چکی تھی۔وہ بوکھلا کے دو قدم پیچھے ہٹی۔

''نہیں،نہیں،یہ نہیں ہو سکتا۔حمزہ کیسے جا سکتا ہے؟اس نے تو ہمارے ساتھ جانا تھا،اس نے تو مجاہد بننا تھا۔یہ،یہ...عمر اسے دیکھو!اسے اٹھاؤ،عمر اسے اٹھاؤ ناں۔''

عائشہ رو رہی تھی،جبکہ عمر کی آنکھیں خشک تھیں۔وہ بس چپ چاپ حمزہ کو دیکھے جا رہا تھا۔اسے اپنا نٹ کھٹ سا بھائی یاد آ رہا تھا۔اس کو تنگ کرنے والا،اس پر رُعب جمانے والا۔اس کا ساتھی اس سے جدا ہو چکا تھا۔اس نے آگے بڑھ کر اپنے بھائی کا ماتھا چوما اور عائشہ کو کندھے سے پکڑ کر اٹھایا۔

''چلیں اُختی!ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ہمیں جانا ہو گا،کیوں کہ...''وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا،عائشہ اپنے چھوٹے بھائی سے لپٹ کر رو پڑی پھر اس کو پیار کر کے باہر نکل آئی۔

علی ان کو لینے آ چکا تھا،عائشہ اور عمر ڈبڈبائی آنکھوں سے اپنے گھر کو دیکھ رہے تھے اور آنکھوں سے ہی الوداع کہہ رہے تھے۔یہ گھر ان کے لیے بہت قیمتی تھا۔ان کا سرمایہ ان کی قیمتی متاع اس گھر میں مدفون تھی۔وہ اپنے اَبی،اُمی اور حمزہ کو چھوڑے جا رہے تھے۔عائشہ نے جھک کر زمین سے کچھ مٹی اٹھائی اور اپنی چادر کے پلو میں باندھ دی۔یہ امانت ہے اے شام...ہم اسے لوٹانے ضرور آئیں گے۔

''چلیں آپی!دیر ہو رہی ہے۔''علی نے انھیں یاد دلایا۔(جاری ہے)

pg30

Alghaffar 07

ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

نبیہا ندا

حنا کڑاہی میں پکوڑے تلنے میں مصروف تھی۔ ساتھ ساتھ ماسی کو ہدایات بھی دیتی جا رہی تھی کہ اتنی پلیٹیں لگاؤ، کھجوریں دھو کر رکھو۔

''اے زرینہ! ذرا امرود تو فریج سے نکال کر دھو کر لادو۔ میں لانا بھول گئی۔'' حنا کی ساس نے آواز لگائی جو ٹی وی لاؤنج میں ہی پنکھے کے نیچے سارے پھل لے کر فروٹ چاٹ بنانے میں مصروف تھیں۔

ساتھ ہی ابرار صاحب، دانیال اور ثنا بھی ٹی وی میں رمضان شو دیکھنے میں مصروف، حنا کچن میں کام بھی کر رہی تھی اور اس کے دماغ میں ثنا کی معلّمہ کی آواز گونج رہی تھی، جب وہ چھ سالہ ثنا کو لے کر آسیہ باجی کے پاس گئی تھی کہ باجی میں اپنی بیٹی کو قرآن پاک حفظ کروانا چاہتی ہوں تو باجی نے کچھ نصیحتیں کی تھیں۔

''گھر کا ماحول پاکیزہ بنانا ہوگا۔ آپ کو عملی نمونہ پیش کرنا ہوگا، خود پہلے ٹی وی، موسیقی اور گناہوں سے پرہیز کریں گی تو بچوں کو بچانا آسان ہوگا، کیوں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور موسیقی شیطان کی پسندیدہ غذا ہے۔ جب بچوں کو بچپن ہی سے شیطان کی غذا مل رہی ہوتی ہے تو وہ قرآن کا علم حاصل کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ ہمارے ہاں ہر ماحول سے طالبات آتی ہیں، جن کے گھروں میں موسیقی اور ٹی وی کا عام رواج ہے، وہ بچے یہاں پڑھائی میں بھی بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ امید ہے آپ ان باتوں کا خیال رکھیں گے تو بچی کا وقت اور ہماری محنت ضائع نہیں ہوگی۔ انشاء اللہ''

باجی نے جب یہ سب کہا تو حنا ایک عزم کے ساتھ اٹھی تھی اور اب اس وقت وہ افطاری بناتے ہوئے دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی کہ اس وقت کچن سے ہٹ کر بچوں کو دوسرے کام میں لگا بھی نہیں سکتی۔ اگر امی ابو کو ٹی وی بند کرنے کا کہا تو گھر میں ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔ مستقل وقفے وقفے سے موسیقی کی آواز آتی جا رہی تھی، دل ہی دل میں حنا دعا گو تھی: ''یا اللہ! میرے معصوم بچوں کے حال پر رحم کیجیے۔ میں ان کو نیک بنانا چاہتی ہوں، میری مدد کیجیے۔ افطاری کے وقت تو خاص قبولیت کا وقت ہوتا ہے تو اے میرے مالک! غیب سے میرے گھر کا ماحول موسیقی سے پاک کر دیجیے۔'' اتنے میں گھنٹی بجی۔

''دانیا ل جلدی جاؤ... ابو ہوں گے؟'' حنا نے کچن سے آواز لگائی۔

آٹھ سالہ دانیال دوڑتا ہوا گیا۔ ''السلام علیکم!'' حامد نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''وعلیکم السلام بیٹا!'' ابرار صاحب اور خالدہ بیگم نے جواب دے کر کہا ''جاؤ بیٹا! صرف دس منٹ رہ گئے ہیں۔ ہاتھ منہ دھو کر آ جاؤ۔'' حامد نے اچٹتی ہوئی نظر اپنے بچوں پہ ڈالی جو ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

''جی امی...!!'' اور وہ جلدی سے کمرے کی طرف گیا۔

افطاری کرتے ہوئے ابرار صاحب نے حامد سے پوچھا:

''بیٹا! آج کہاں رہ گئے تھے؟'' ابرار صاحب نے پوچھا۔

''ہاں... چہرہ تو دیکھو کیا ہو گیا ہے؟'' خالدہ بیگم نے بھی کہا۔

''جی وہ ریاض میرا دوست ہے نا، اس کے ساتھ دن بھر گھومتا رہا۔''

''کیا ہوا ریاض کو۔'' حنا نے پوچھا۔

''کیا بتاؤں...'' حامد نے بولنا شروع کیا پھر اچانک بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''دانیال بیٹا! ذرا ابو کے لیے چائے تو ڈالو۔''

''جی ابو...!'' دانیال اٹھا اور تھرماس سے چائے ڈالنے لگا۔ حنا بھی اٹھ گئی۔ ''اس سے پہلے تو کبھی دانیال سے چائے ڈالنے کو نہیں کہا۔'' وہ سوچ رہی تھی۔

''یہ لیں ابو...!'' دانیال نے اپنے ابو کو چائے دی۔

''تراویح میں ساتھ چلو گے بیٹا!'' حامد نے پوچھا۔

''وہ ریاض کے بارے میں بتا رہے تھے۔'' خالدہ بیگم نے پوچھا۔

''جی، وہ، اس کے ابو اسپتال میں داخل ہیں۔'' حامد نے مختصر آگاہ کیا۔

رات کو تراویح کے بعد بچے سونے کے لیے چلے گئے تو حنا نے پھر پوچھا:

''ریاض بھائی کے والد کی طبیعت زیادہ خراب ہے کیا؟''

''ہاں!'' حامد نے کہا ''ایسا کرو، دیکھو... امی ابا جاگ رہے ہیں تو انھیں کے کمرے میں چلو، وہیں بات کرتے ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' حنا کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی حامد کے ساتھ چلی۔

''امی! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' حامد نے خالدہ بیگم سے پوچھا۔

''ہاں بیٹا! اللہ کا شکر ہے۔ تم سناؤ بیٹا! ریاض کے ابا زیادہ بیمار ہیں کیا، جو اس کے ساتھ دن بھر لگے رہے؟''

''امی! اصل میں ریاض کا بھتیجا فرہاد ایک ہندو لڑکی سے شادی کرنے جا رہا ہے، جو یونیورسٹی میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے۔''

''کیا...!!!'' کمرے میں موجود باقیوں نے ایک ساتھ کہا۔

''ان کا تو بڑا نیک شریف خاندان ہے۔ نماز، روزے کے بھی پابند ہیں اور ریاض کے ماں باپ کو تو ہم بھی جانتے ہیں۔'' ابرار صاحب نے کہا۔

''جی یہی تو کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ میں ریاض کے گھر گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میت کا گھر ہے۔ ریاض کی بھابھی کا رو رو کر برا حال تھا، وہ کہے جا رہی تھی: ''میری تو عقل ہی ختم ہو گئی، میرے پوتا پوتی مندر جائیں گے، ہائے رام، ہائے سیتا گائیں گے۔'' وہ لڑکا فرہاد تو اس لڑکی کے عشق میں ایسا دیوانہ ہوا کہ دادا اس صدمے کی وجہ سے ''کومے'' میں چلے گئے، ان کی طرف سے تو ڈاکٹر بھی زیادہ پُرامید نہیں ہیں۔ ریاض کے بھائی بھی طیش میں تھے، وہ بھابھی پہ غصہ اتار رہے تھے کہ سب تمہارا قصور ہے۔ میں دونوں ماں بیٹے کو ''شوٹ'' کر دوں گا۔ نیم پاگلوں جیسی اُن کی کیفیت ہو رہی تھی۔'' حامد بتا رہا تھا۔

''ارے! تو اس لڑکی کو مسلمان کر لے۔'' حنا نے کہا۔

''لوگ کر سچن وغیرہ سے شادی کرتے ہیں اور وہ مسلمان بھی ہو جاتے ہیں، مگر تم کیا سمجھتی ہو؟ یہ بہت آسان ہے۔ فرہاد ہندو ہونے کو تیار ہے... وہ لڑکی مسلمان ہونے کے لیے نہیں...'' حامد نے کہا۔

''اب کیا ہو گا پھر۔ ماں باپ تو جیتے جی ختم ہو گئے۔'' حنا نے دکھ سے کہا۔

''بہت خراب ماحول ہے آج کل بیٹا! تم لوگ اپنے بچوں کا خیال رکھو!'' خالدہ بیگم بولیں۔ ''جی امی! ریاض کو کسی نے بتایا تھا کہ فیز 4 میں ایک مولانا صاحب ہیں۔ ان کے پاس چلو۔ کچھ دم کر دیں گے، کوئی حل بتا دیں گے۔ بہت قابل و مشہور ہیں۔ ہم گئے تھے فرہاد کو لے کر ان کے پاس، مگر بے سود رہا، فرہاد کے اوپر تو لگتا ہے بہت بڑا شیطان سوار ہے، جو کسی طرح اتر نہیں رہا۔ نہ ماں باپ کے آنسو نظر آ رہے ہیں، نہ دادا کی موت، نہ باپ کی حالت۔ میں شام کو پھر الگ سے مولانا صاحب سے ملنے گیا۔ میرے سامنے بار بار دانیال اور حنا کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ اللہ نہ کرے ایسا دکھ کوئی ماں باپ دیکھے۔'' حامد بہت ڈر گیا تھا۔ پھر وہ اپنی گفتگو بتانے لگا جو مولانا صاحب سے ہوئی تھی۔

حامد: ''السلام علیکم۔''

مولانا صاحب: ''وعلیکم السلام'' وہ عصر کے بعد مختصر درس دے کر ابھی فارغ ہی ہوئے تھے، حامد کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے انھوں نے پوچھا ''آپ صبح بھی آئے تھے؟''

حامد: ''جی! اس بچے کے ساتھ جو ایک ہندو لڑکی سے شادی کرنے جا رہا ہے۔''

مولانا صاحب: ''جی ہاں! یاد آیا۔''

حامد: ''مولانا صاحب! میں یہ واقعہ دیکھ کر ہِل گیا ہوں۔ میرے بھی بچے ہیں۔ میں آپ سے مشورہ لینے آیا ہوں۔ فرہاد کے ماں باپ، دادا، دادی سب کو میں جانتا ہوں، بہت شریف لوگ ہیں۔ یہ کیسے ہو گیا؟''

مولانا صاحب: ''بیٹا! آج مسلمانوں کی اولادیں کس تیزی سے ایمان سے ہاتھ دھو رہی ہیں ہم تو روز ایسی کہانیاں سنتے ہیں'' مولانا صاحب نے افسوس سے کہا۔ ''افسوس تو یہ ہے کہ مسلمان ماں باپ نے تربیت سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اور اس کا احساس بھی نہیں۔''

حامد: ''یہی تو مجھے آپ سے پوچھنا ہے کہ کیا کریں؟'' حامد نے بے چین ہو کر کہا۔

مولانا صاحب: ''گھر کا ماحول پاکیزہ بنائیں، اولاد کو وقت دیں، معصوم ذہنوں اور صاف دلوں کو کارٹون، ٹی وی کے حوالے نہ کریں، جو کافروں کی تہذیب سکھا رہی ہیں اور موسیقی جو کہ شیطان کا منتر ہے اور زنا کی جڑ ہے۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے: ''موسیقی، دلوں میں نفاق ایسے اُگاتی ہے جیسے پانی کھیتی کو۔'' والدین موسیقی کے ذریعے خود نفاق کا بیج، بچوں کے دلوں میں پیدا کر رہے ہیں۔''

حامد: ''اچھا...!!''

مولانا صاحب: ''جی آپ کو اپنے نبی ﷺ کی سچائی پر ایمان ہے؟''

حامد: ''جی، کیوں نہیں یقیناً...''

مولانا صاحب: ''پھر نبی ﷺ کی زندگی خود بھی اپنائیں اور بچوں کے دلوں میں اپنے پیارے نبی ﷺ کی محبت و عظمت بٹھائیں تو سنت طریقوں کا اپنانا آسان ہو جائے گا، مگر پہلے خود نمونہ بنیں۔'' مولانا صاحب نے سمجھاتے ہوئے مزید کہا ''آج ماں باپ بچپن ہی سے سالگرہ کا کیک معصوم بچوں سے کٹوا کر کافروں کے طریقوں کی محبت بچوں کے دلوں میں بٹھا رہے ہوتے ہیں، تو دیکھیں! آج بات کہاں سے کہاں تک جا پہنچی ہے۔ باہر کا ماحول تو آپ کے اختیار میں نہیں، گھر کا اندر تو آپ کے اختیار میں ہے، کم از کم وہاں تو ماں بھی اور باپ بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔''

حامد: ''بہت شکریہ مولانا صاحب! آپ کے پاس میں آتا جاتا رہوں گا۔'' گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے حامد نے کہا۔ (بقیہ ص 34 پر)

خط نمبر 31

باپ کا بیٹی کے نام خط

محمد دانش

پیاری بیٹی ہزار ہا دعائیں!

بیٹی! اس سے پیش تر آپ کو جتنے خطوط تحریر کر چکا ہوں، اُن میں عزت و وقار سے زندگی گزارنے اور سسرال میں سلیقہ مندی سے رہنے کے اصول بتائے تھے۔ فکرِ آخرت جو اہم موضوع ہے، تشنہ رہ گیا تھا، چناں چہ اس خط کے ذریعہ ''فکرِ آخرت'' پر آپ کی توجہ مبذول کرا رہا ہوں۔ اس لحاظ سے یہ خط تمام خطوط سے زیادہ اہم ہے۔

بیٹی! آپ کا مشاہدہ ہوگا کہ جب ہم طویل سفر پر روانہ ہوتے ہیں تو واپسی کا ٹکٹ ضرور لے لیتے ہیں، تاکہ سکون و اطمینان سے اپنے گھر واپس پہنچ سکیں، لیکن ہم نے جس کو اپنا مستقل مسکن سمجھ رکھا ہے وہ حقیقت میں ایک سرائے ہے اور ہم اپنی اصل منزل کو فراموش کر بیٹھے ہیں، جہاں ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ بیٹی! اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہم دنیاوی سفر کے لیے نہ جانے کیا کیا تیاریاں کرتے ہیں، ضرورت کی تمام چیزوں کو سمیٹ کر رکھتے ہیں، تاکہ سفر میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے، جب کہ سفرِ آخرت کو جس سے ہم سب کو گزرنا ہے بھول بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس کٹھن سفر کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے کبھی سوچا؟ اس سفر میں تقویٰ اور نیک اعمال ہی ہماری راحت اور سکون کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ سفر کی دعا سے تو ہم سب ہی واقف ہیں جب سواری پر قدم رکھتے ہیں تو اس دعا کا خاص اہتمام کرتے ہیں: سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (الزخرف: 13-14)۔ ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے بس میں دے دیا، ورنہ ہم میں یہ طاقت نہیں تھی کہ اس کو قابو میں لے سکتے اور بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اس دعا میں اگر ہم غور کریں تو ہم پر واضح ہوگا کہ دنیاوی سفر کے ساتھ ہم آخرت کے سفر کو بھی ذہن میں رکھیں کہ ہمیں ایک دن اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

بیٹی! ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کسی بھی وجہ سے تاریکی اور اندھیرا چھا جائے تو ہم ذہنی طور پر کتنے پریشان ہو جاتے ہیں اور اگر شدت کی گرمی ہو اور قدرتی ہوا بھی بند ہو جائے تو سانس لینا دوبھر ہو جاتا ہے اور ہر شخص گھبراہٹ اور بے چینی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جلد ہی تازہ ہوا اور روشنی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب کہ یہ تاریکی وقتی ہوتی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اس دنیا سے رُخصت ہونے کے بعد ہمارا واسطہ سب سے پہلے قبر کی تاریکی، وحشت اور تنہائی سے پڑنے والا ہے، جہاں ہمارا نہ کوئی مونس ہوگا اور نہ غم خوار۔ ہم نے اس تاریکی کو دور کرنے کے لیے کیا اہتمام کیا ہے کبھی غور کیا؟ آیئے حضور اقدس ﷺ کی سیرت طیبہ کی روشنی میں میں کچھ عرض کرتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''سورۂ ملک'' قبر کے عذاب سے محفوظ رکھتی ہے۔ (صحیح الجامع) حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ سورۂ ملک اور الم سجدہ کی تلاوت کیے بغیر نہیں سوتے تھے۔ ایک موقع پر نبی کریم ﷺ دعا فرما رہے تھے: اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ یہ دعا کیوں مانگتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے آسان حساب کی دعا مانگتا ہوں، کیوں کہ اگر اللہ تعالیٰ حساب لینے پر آجائیں تو کوئی بچ نہیں سکتا۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۝ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝ (الملک: 1-2) بڑی شان ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ جس نے موت اور زندگی اس لیے پیدا کی تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ بہتر ہے اور وہ ہی ہے جو مکمل اقتدار کا مالک، بہت بخشنے والا ہے۔ مندرجہ بالا آیات میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے موت کا ذکر پہلے فرمایا اور حیات کا ذکر بعد میں کیا ہے اور مقصدِ حیات کو آزمائش اور بہترین اعمال سے تعبیر فرمایا ہے۔ سچ پوچھیں تو ایک مومن کے لیے دین و ایمان ہی اس کی اصل اور قیمتی پونجی ہے اس کی ہمیں ہر لحہ فکر ہونی چاہیے۔

بیٹی! ہمیں گفتگو کرتے وقت بہت محتاط رہنا چاہیے، کوئی بات منہ سے ایسی نہ نکل جائے جو اللہ کی ناراضی کا سبب بنے۔ ارشادِ ربانی ہے: مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (ق: 18) انسان کوئی لفظ زبان سے نکال نہیں پاتا، مگر اس پر ایک نگراں مقرر ہوتا ہے، ہر وقت (لکھنے) کے لیے تیار۔ ایک اور موقع پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ

وَيَقُولُونَ يَٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هَٰذَا ٱلۡكِتَٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةٗ وَلَا كَبِيرَةً إِلَّآ أَحۡصَىٰهَاۚ وَوَجَدُواْ مَا عَمِلُواْ حَاضِرٗاۗ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ أَحَدٗا (کہف: 49) اور (اعمال کی) کتاب سامنے رکھ دی جائے گی' چناں چہ تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ اس کے مندرجات سے خوف زدہ ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہماری بربادی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں چھوڑا' جس کا پورا احاطہ نہ کرلیا ہو اور وہ اپنا سارا کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

بیٹی! ہر ایک کی یہ چاہت ہوتی ہے کہ اس کا عالی شان مکان ہو' کشادہ صحن ہو' جس میں پھلوں سے لدا ہوا باغ ہو اور ہمیشہ کی جوانی ہو' بڑھاپا نہ آئے' ہمیشہ صحت مند رہیں' کبھی بیمار نہ ہوں۔ چہرے کی خوب صورتی ہمیشہ قائم رہے' ماند نہ پڑے' ہمیشہ کی زندگی ہو' موت نہ آئے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہاری چاہتیں' خواہشات اور آرزوئیں پوری کروں گا' بشرط یہ کہ تم میرے پاس تقویٰ اور نیک اعمال لے کر آؤ اور میرے فیصلے پر صابر و شاکر رہو۔ بیٹی! جب آپ کو آخرت کی فکر ہو گی تو آپ دین کا ہر حکم بروقت پورا کرو گی۔ اسی فکر کی برکت سے نمازیں بھی ٹھیک اور وقت پر ہوں گی' روزہ' زکوٰۃ اور دیگر عبادات بھی درست اور بروقت ادا ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ فکرِ آخرت کام یابی کی کنجی ہے۔ جو جس کے ہاتھ آگئی' وہ دنیا اور آخرت میں کام یاب ہوا' اس لیے کہ فکرآخرت سے انسان اللہ کا ہو جاتا ہے اور جو اللہ کا ہو جائے' اس کے دنیا اور آخرت کے تمام مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ مشہور قول ہے: مَنۡ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهُ جو اللہ کا ہو جائے' اللہ اُس کا ہو جاتا ہے۔

بیٹی! اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہم جس سے چاہیں جتنی محبت کرلیں' آخر کو جدائی ہے ہم روزانہ اپنے پیاروں کے انتقال پر اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ دنیا جس روز سے بسی ہے یہاں کا دستور ہے کہ ہر ایک آتا ہے کچھ روز رہتا ہے اور چلا جاتا ہے' جن محلوں اور حویلیوں کے بنانے میں نوابوں اور بادشاہوں نے اپنی پوری زندگیاں لگا دیں اُن میں اُن کو چند سال' بعض کو چند یوم' بل کہ چند پَل رہنا بھی نصیب نہ ہوا' بل کہ کبھی کبھی ان کی نسلوں کو بھی اِن محلوں میں داخلہ نصیب نہیں ہوا۔ پھر بھی نہ جانے کیوں انسان اس دھوکے کے گھر اور سرائے میں ایسا دل لگا لیتا ہے' جیسے اسے ہمیشہ یہاں رہنا ہے' اپنے ساتھ رہنے والے کتنے عزیزوں' دوستوں' رفیقوں اور ساتھیوں کو ہم نے غسل دے کر کفنا کر قبروں میں اُتار دیا' مگر ہمارے طرزِ حیات اور ہمارے رہن سہن سے یہاں تک کہ ہمارے مکانوں سے بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ موت کی یہ سچائی جس کو اُن لوگوں کو بھی ماننا پڑتا ہے جو خدا کی ذات پر یقین نہیں رکھتے۔ کہ ہمیں اس موت سے سابقہ پڑنا ہے' یہ دنیا سرائے فانی ہے' دھوکے کا گھر ہے اور ہمیں اُسے ایک دن چھوڑ کر جانا ہے۔ ستّر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا رب ہمیں بار بار ہوشیار کرنے کا سامان پیدا فرماتا ہے اور اس غفلت سے بیدار کرنے کے لیے فرماتا ہے: جان لو کہ دنیوی زندگی محض لہو ولعب اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال و اولاد میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا ہے' اس کی مثال اُس بارش کی سی ہے' جس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے' پھر وہ اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیوی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے''۔ (الحدید: 20) کاش! ہر لمحہ خواب غفلت سے جگانے والے ان واقعات سے دنیا کی بے ثباتی اور اسے دھوکے کا گھر سمجھنے کے لیے ہم ہوش کے ناخن لیں اور موت کے بعد کی عافیت اور نجات کو اس سرائے فانی میں داؤ پر نہ لگائیں اور کاش! ہم اس رمضان المبارک کی قدر کریں اور اسے اپنا زاویہ فکر تبدیل کرنے اور طرزِ زندگی تبدیل کرنے کا ذریعہ بنالیں۔ والسلام

دعا گو
آپ کے ابو

بقیہ: ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

مولانا صاحب: ''ضرور... بل کہ نیک مجالس میں بچوں اور دیگر افراد کو بھی لے کر آئیں۔ یہ بہت بڑا ذریعہ ہے اولاد کی ایمان کی حفاظت کا۔ اگر آپ کو اولاد کا ایمان عزیز ہے تو علما و صلحا کی عزت اور محبت ان کے دلوں میں بٹھائیں' اداکاروں اور فن کاروں کی نہیں۔'' بس یہ بات ہوئی ہے۔'' حامد نے تفصیل بتاتے ہوئے تینوں سے کہا۔

''تو میں نے تو ٹی وی نہ دیکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حنا تو پہلے ہی اس گناہ کو چھوڑ چکی ہے۔ ابا! میں یہ ٹی وی کونے والے کمرے میں رکھوا دیتا ہوں' ٹی وی لاؤنج سے ہٹا کر۔ یہ ٹی وی عزت افزائی کے قابل نہیں ہے کہ گھر کے مرکز میں رکھا جائے۔'' حامد نے ابرار صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے بیٹا! اس ٹی وی کو توڑ کر کچرے کے ڈرم میں پھنکوا دو۔ یہ تو ہمارے اور بچوں کے لیے زہریلا سانپ ہے۔ مجھے اپنی نسلوں کا ایمان بچانا ہے' انھیں عیسائی اور ہندو نہیں بنانا۔'' خالدہ بیگم نے غصے سے کہا۔

''ہاں بیٹا! میں تمہاری ماں سے اتفاق کرتا ہوں۔'' ابرار صاحب نے تائید کی۔

''الحمد للہ! امی اور ابا' آپ لوگوں نے تو میری مشکل آسان کر دی۔ بس آپ لوگ دعاؤں میں نسلوں کے ایمان کی حفاظت کی دعا بھی ضرور مانگیں۔ یہ بھی خاص طور سے مولانا صاحب نے تاکید کی تھی اور کوشش بھی ساتھ ساتھ جاری رکھیں' فکر پیدا کریں۔ انبیا علیہم السلام نے بھی اس کی فکر کی ہے۔''

حنا سوچ رہی تھی کہ واقعی یہ دعا کی قبولیت کا مہینہ ہے' بس مانگنے کی دیر ہے۔

pg35

AL-GHAF-FAR

08

غبیر کے غبارے

ڈاکٹر الماس روحی

غبیر ایک غریب لڑکا تھا۔ اس کے ابا غبارے بیچتے تھے۔ وہ زمین' آسمان' چرند' پرند' سورج' چاند اور ستاروں پر غور کرتا رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک غلیل تھی۔ اس کا نشانہ بھی بہت اچھا تھا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک درخت پر کبوتر بیٹھا غٹر غوں غٹر غوں کر رہا ہے اور برابر اس کی گردن ہل رہی ہے۔ غبیر نے اپنے کرتے کی جیب سے غلیل نکالی اور اس کبوتر کو نشانہ بنایا۔ وہ کبوتر درخت سے گر گیا۔ اس کو گرتے دیکھ کر دوسرے پرندے غل کرتے درخت سے اڑ گئے۔ غبیر وہ کبوتر اٹھانے گیا۔ جب وہ اسے اٹھانے لگا تو وہ زخمی کبوتر اس سے بولا: ''اے پیارے لڑکے! مجھے مار کر تمہیں کیا ملا؟ پرندوں سے تو سب ہی پیار کرتے ہیں۔'' غبیر نے جو کبوتر کو بولتے ہوئے سنا تو غبیر اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے آیا۔ اس نے اس کی مرہم پٹی کی اور اسے پانی پلایا۔ کبوتر نے اپنے دل میں سوچا کہ غبیر دل کا اچھا ہے۔''

غبیر کی ایک چھوٹی بہن بھی تھی جس کا نام ''غانیہ'' تھا۔ وہ اپنی اماں کے ساتھ گھر کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ سورج غروب ہوتے ہی اسے نیند آ جاتی اور وہ غالیچے پر سو جاتی۔ اس دن کبوتر دیکھ کر غانیہ بہت خوش ہوئی۔ اسے بھی اس کبوتر کی غٹر غوں غٹر غوں بہت اچھی لگی۔ غانیہ اور غبیر کا ایک چھوٹا بھائی بھی تھا جسے رنگ برنگ غبارے بہت پسند تھے۔ اسے پیار سے یہ دونوں بھائی ''غبو'' کہتے تھے۔ وہ غوں غوں کرتا اور غباروں کو پکڑتا تھا۔ غبیر کا کبوتر بولتا ہے' اس بات کا غل پورے محلے میں ہوا۔ ہر بچہ کبوتر کی غٹر غوں غٹر غوں سنتا اور اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ ان کے گھر میں بچوں کا میلہ سا لگنے لگا تھا۔ بچے پیسے لاتے اور غبیر کے بابا سے غبارے بھی خرید لیتے۔ نرم' ملائم ربڑ کے بنے ہوئے نیلے' پیلے' ہرے غبارے دیکھ کر بچے بہت خوش ہوتے تھے۔ رات کو جب بابا بیٹھ کر غبارے پھلاتے تو اس وجہ سے ان کا سینہ بھی پھول کر غبارا بن جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر غبیر بھی غبارہ پھلانے کی کوشش کرتا مگر جیسے ہی وہ غبارے میں ہوا بھرتا تو اچانک اس غبارے میں سے ہوا نکل جاتی۔ یہ دیکھ کر غبیر کو بہت غصہ آتا اور غانیہ کو بہت ہنسی آتی تھی۔ بابا ہر روز شام کو غوث پارک جاتے تھے۔ وہ ایک بڑے سے بانس کے ڈنڈے پر ڈھیر سارے غبارے باندھتے اور غبیر اور غانیہ کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ یہاں چھوٹے بڑے' کالے گورے' موٹے دبلے ہر طرح کے بچے رنگ برنگے کپڑے پہن کر آتے تھے۔ وہ غوث پارک کے دروازے پر بیٹھے بابا سے غبارے خریدتے تھے۔ بابا ایک بڑے سے بانس پر رنگ برنگے غباروں کے ساتھ کھلونے بھی سجاتے تھے مگر اکثر بچے غبارے ہی خریدتے تھے۔ غبیر اپنے بابا کے ساتھ ہی ہوتا تھا اور وہ یہ آواز لگاتا تھا۔

غبارے لے لو' غبارے لے لو

نرم ملائم' رنگ برنگے غبارے لے لو

جو پھلائے گا غبارہ، وہ بن جائے گا غبارہ

غبارے لے لو، غبارے لے لو

غبیر کے غبارے اس پارک میں خوب بکتے۔ کچھ عرصے بعد بابا نے گیس کی ایک چھوٹی سی ٹنکی خریدی۔ اس کے بعد غبیر اور اس کے بابا گیس بھرے غبارے بیچنے لگے۔ گیس کے غبارے سیدھے دھاگے سے بندھے کھڑے رہتے۔ نیلے، پیلے، سرخ، ہرے غبارے دیکھنے میں غانیہ کو بہت اچھے لگ رہے تھے۔ بابا اپنے دوست غفور سے بات کر رہے تھے۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے غباروں سے غافل ہوئے کہ اچانک غانیہ ان کے غبارے لے کر میدان میں بھاگی۔ غبیر اسے پکڑنے کے لیے دوڑا۔ غبارے ہوا میں اونچے اڑنے لگے۔ غانیہ نے دھاگوں سے غبارے پکڑے ہوئے تھے۔ غبارے اور اونچے اڑنے لگے تو غانیہ بھی ان کے ساتھ زمین سے اوپر اٹھنے لگی۔ غبیر نے غانیہ کے پاؤں پکڑ لیے۔ اب غبارے ہوا میں اوپر کی طرف جا رہے تھے۔ غبیر اور غانیہ حیرت سے آسمان کو دیکھ رہے تھے۔ بادلوں کے درمیان خود کو دیکھنا انہیں بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ ہنس رہے تھے۔ آسمان کی سیر کرتے کرتے جب غانیہ نے نیچے زمین کی طرف دیکھا تو اسے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ تب اسے اپنی اس غلطی کا احساس ہوا۔ ان کے آس پاس پرندے اڑ رہے تھے۔ غبیر انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ جب غبیر نے زمین کی طرف دیکھا تو اسے بھی چکر آنے لگے۔ اس نے بہت سختی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ غبیر کو ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے سردی لگنے لگی۔ اب اسے غانیہ پر بہت غصہ آ رہا تھا۔

اس نے غانیہ سے کہا: ”غانیہ! تم بابا کے غبارے لے کر میدان میں کیوں آئیں؟“

غانیہ رونے لگی اور روتے ہوئے کہنے لگی: ”بھیا! اب کیا ہوگا اور اب ہم اپنے گھر کیسے جائیں گے؟ مجھے اماں ابا بہت یاد آ رہے ہیں۔“

یہ سن کر غبیر اسے کہنے لگا: ”رؤمت غانیہ! ہمیں اپنے اللہ سے دعا کرنی چاہیے۔“ دیکھتے ہی دیکھتے غباروں کی ہوا کم ہونے لگی اور وہ زمین کی طرف آنے لگے۔ غباروں کی ہوا ایک جزیرے پر ختم ہوئی۔ غانیہ اور غبیر دونوں زمین پر تھے۔ یہ بڑی سخت اور پتھریلی زمین تھی۔ ان کے سامنے ایک غار تھا۔ دونوں کو بھوک اور پیاس لگی ہوئی تھی۔ وہ کھانے، پینے کی چیزوں کی تلاش میں غار کے اندر گئے جہاں ایک صراحی اور غلہ رکھا ہوا تھا۔ غبیر نے غٹاغٹ پانی پیا اور غانیہ نے غلّہ کھایا۔ انہوں نے دیکھا کہ غار میں ایک صندوق رکھا ہوا ہے جس پر ایک سرخ رنگ کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔ غلاف ہٹا کر غبیر نے وہ صندوق کھولا تو اس نے دیکھا کہ اس میں بہت ہی قیمتی زیورات اور ہیرے تھے۔ یہ تو ایک خزانہ تھا۔ یہ دیکھ کر غبیر بہت خوش ہوا کہ جو ہوا بہت اچھا ہوا۔ غانیہ بھی اتنے خوبصورت زیورات دیکھ کر بہت حیران تھی۔ وہ اپنے گلے میں ہار اور ہاتھوں میں کنگن پہن کر دیکھ رہی تھی۔ چمکتے دمکتے ہیروں کی روشنی سے پورا غار روشن تھا۔ ایک چھوٹی سی ڈبیہ غبیر کے ہاتھ آئی۔ اس نے وہ ڈبیہ جیسے ہی کھولی تو اس میں سے ایک پری باہر نکلی۔ اس پری کا نام غزالہ تھا۔ وہ پری ان سے بولی:

”پیارے بچو! مجھے ایک ظالم دیو نے غلام بنا کر کئی سالوں سے اس ڈبیہ میں قید کر دیا تھا اور آج تم نے مجھے آزاد کر دیا ہے۔ کہو میں تمہاری کیا مدد کروں؟“

یہ سن کر غانیہ جلدی سے بولی: ”اچھی پری! ہمیں اپنے گھر جانا ہے۔“

غانیہ کی بات سن کر وہ پری دھیرے سے مسکرائی اور بولی: ”پہلے یہ دونوں تھیلیوں میں تم یہ سارے قیمتی زیورات اور ہیرے بھر لو۔ یہ تمہارا انعام ہے۔“

پری کی یہ بات سن کر دونوں بہن بھائی وہ تھیلے لیے پری کے ساتھ اپنے گھر پہنچے۔ پری دروازے پر انہیں چھوڑ کر واپس جا چکی تھی۔ غبیر اور غانیہ نے دیکھا کہ ان کے ماں باپ صحن میں پریشان بیٹھے تھے۔ اماں ابا ان دونوں کے پاس اتنے سارے زیورات دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ بچوں نے انہیں پری کا واقعہ سنایا۔ ماں باپ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ اب غانیہ اور غبیر اسکول جاتے ہیں۔ ابا نے بچوں کے کھلونوں کی دکان کھولی ہے جو بہت بڑی دکان ہے۔ جہاں لکڑی کا گھوڑا، پوں پوں کرتی گاڑی، ڈھم ڈھم ڈھول بجاتا بندر، اچھلتا کودتا کتا، میاؤں میاؤں کرتی بلی تھی۔ سب ہی کھلونے بچے خوب شوق سے خریدتے ہیں مگر رنگ برنگے غبیر کے غبارے بچے غبیر سے ہی خرید کر لے جاتے ہیں۔

غلیل کھلونا

غالیچہ قالین

غلہ غذا

غٹر غوں کبوتر کی آواز

غل شور

غلاف آستر

ٹھہرو! اللہ دیکھ رہا ہے

عبدالواسع باسط، گرین لینڈ اسکول، کراچی

دوپہر کا وقت تھا۔ رافع اور عبداللہ باغ میں کھیل رہے تھے۔ وہ دونوں بہت اچھے دوست تھے۔ روز ایک ساتھ اسکول جانا، ایک ساتھ پارک میں کھیلنا اور ایک ساتھ ہوم ورک کرنے سے ان دونوں کی اور دوستی ہو گئی تھی۔ ایک دِن وہ دونوں پارک میں کھیل رہے تھے کہ واپسی میں ایک پانچ سو روپے کا نوٹ ملا، پھر عبداللہ نے آگے پیچھے دیکھا اور نوٹ اُٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ راستے بھر اسے شرمندگی کے عجیب سے احساس نے گھیرے رکھا۔ گھر آتے ہی اس کے کان میں آواز آئی: ''السلام علیکم! جیتے رہو بیٹا!''

اُس نے ''وعلیکم السلام'' کہا اور اپنے بابا کا حال پوچھا۔ بابا نے کہا: ''آؤ بیٹا! آکر جوس پی لو! وہ جیسے ہی کرسی پر بیٹھا، اس کے بابا کی نظر اس کی جیب میں رکھے نوٹ پر پڑی۔ انھوں نے اُسے بُلایا اور بولے: ''بیٹا! یہ پیسے آپ کے پاس کیسے آئے؟'' وہ بہت پریشان ہوا، مگر اس نے سچ بتانے کا فیصلہ کیا۔ ساری بات سن کر اس کے بابا نے سمجھایا کہ بیٹا! جب کوئی نہیں دیکھ رہا ہوتا، پھر بھی ہمیں اللہ دیکھ رہا ہوتا ہے، اس لیے آئندہ ایسا کوئی کام نہ کرنا۔ اس نوٹ کو وہیں جا کر پھینک آؤ، جہاں سے اُٹھایا تھا۔'' عبداللہ نے اُس دِن عہد کیا کہ اب وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا، جس کے بعد اسے شرمندگی ہو، کیوں کہ اللہ ہمیں ہمیشہ دیکھ رہا ہوتا ہے۔

برائی کا انجام برا

سیف الرحمٰن، 12 سال، بیول ون بی، کراچی

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک نوجوان آدمی رہا کرتا تھا۔ وہ بہت امیر تھا، مگر امیر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت مغرور بھی تھا۔ وہ ایک عظیم الشان بنگلے میں رہا کرتا تھا۔ اس کے بنگلے کے سامنے ایک غریب آدمی کی جھونپڑی تھی۔ امیر آدمی اس سے بہت جلتا تھا کہ اس کی شان میں یہ غریب آدمی کیا ہے کہ وہ اس کے بنگلے کے سامنے رہ رہا ہے۔ امیر آدمی نے ایک ترکیب سوچی کہ کیوں نہ میں اس کی جھونپڑی کو آگ لگا دوں۔ ایک دن غریب آدمی کھیت میں اپنے کام میں مصروف تھا کہ امیر آدمی نے اس کے گھر میں آگ لگا دی اور اس کے بیوی بچے اندر سو رہے تھے۔ غریب آدمی نے جب ان کی چیخیں سنی: ''بچاؤ، بچاؤ'' تو وہ ان کی طرف بھاگتا ہوا آیا تو دیکھا کہ جھونپڑی میں آگ لگی ہوئی ہے، تو وہ اندر گیا اور اپنے بیوی بچوں کو بچا لیا، مگر اپنی جھونپڑی کو نہ بچا سکا۔ آگ کے شعلے آہستہ آہستہ بلند ہوتے ہوئے امیر آدمی کے بنگلے میں چلے گئے اور اس طرح امیر آدمی کا پورا بنگلہ جل گیا اور ساتھ میں بیوی بچے اور خود وہ بھی مر گئے۔

محمد ذوالقرنین حیدر، 12 سال، [illegible] اسلام کراچی

ام رومان، 10 سال، پنجم، کراچی

حمزہ عمران، 6 سال، کلاس ون

ایمن اسرار، 11 سال، ششم، کراچی

بچوں کے فن پارے

بنت شکیل احمد، 14 سال، [illegible]، کراچی

[illegible]، 12 سال، [illegible]

طوبیٰ ارشد، 13 سال، ہشتم

[illegible]، 10 سال، ششم، کراچی

[illegible]، 8 سال، دوم، ملتان

ام رومان، 10 سال، پنجم، کراچی

ایک چھوٹی سی بات

بہت ہی پیارے راج دُلارے بچوں کو ماہنامہ فہمِ دین کی جانب سے عید کی ہزاروں مسرتیں مبارک ہوں۔

پیارے پیارے بچوں سے کچھ باتیں کرنے کو دِل چاہ رہا ہے۔

ایک تو یہ کہ عید کا جوڑا کیسا ہے؟

کیا عید کا جوڑا پیارے بچوں کا سنت کے مطابق ہے؟ عید تو مسلمانوں کی ہے۔ یقینا رمضان کی طرح پیارے بچوں کا عید کے تینوں دِنوں کا لباس سنت کے مطابق ہو گا۔

کرتا، ٹوپی اور پائجامہ اور پیاری بیٹیوں کا بھی یقینا مکمل لباس ہو گا۔

پوری آستینوں کی لمبی قمیص اور ہم رنگ اسکارف۔ یقیناً گرمی کے موسم میں ایسا لباس گرمی دے گا، لیکن پیارے بچوں کو یہ بھی تو معلوم ہے کہ جہنم کی گرمی دُنیا کی گرمی سے کہیں زیادہ سخت ہے، لہٰذا انھوں نے سنت کے مطابق ہی لباس زیب تن کیا ہو گا۔

حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ ''جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا تو قیامت کے دِن انھی میں سے اُٹھایا جائے گا۔

اگر کسی بچے کا غلطی سے ایسا لباس نہیں بنا تو آئندہ کے لیے ارادہ کیجیے کہ سنت کے مطابق ہی لباس بنائیے گا، بل کہ وعدہ کیجیے، کیوں کہ ہم سب کو جنت میں اکٹھا ہونا ہے اور ملاقات کرنی ہے۔

تو کرتے ہیں نا پیارے بچے وعدہ۔۔۔

ماہنامہ فہمِ دین
جولائی کے نئے سوالات

سوال نمبر 1: کسان کے بیٹے نے خودکشی کیوں کی تھی؟

سوال نمبر 2: عائشہ نے حمزہ کو کان سے پکڑ کر کیا سوال کیا؟

سوال نمبر 3: بوڑھا آدمی اُواُو کی آواز کیوں نکالتا ہے؟

صہیب احمد نے کیا سوچ کر اپنے ماں باپ سے بدلہ نہ لیا؟

سوال نمبر 4: بادشاہ نے وزیر کو قید میں کیوں ڈلوایا؟

سوال نمبر 5: مصطفیٰ نے جابر کو صبح جلدی اٹھنے کا کیا طریقہ بتایا۔

مئی کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر 1: نگاہ کی حفاظت، زبان کی حفاظت، کان کی حفاظت، حلال رزق سے افطار، خوفِ خدا

سوال نمبر 2: غیبت

سوال نمبر 3: 16 رمضان المبارک

سوال نمبر 4: لاالٰہ الااللہ کی کثرت

استغفار کی کثرت

جنت کا سوال

جہنم سے پناہ

مئی کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

1... منیبہ رشید، 10 سال، ششم، کراچی
2... طاہر اقبال، 12 سال، ہشتم، کراچی
3... محمد فائز، 10 سال، پنجم، کراچی

ان میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہنامہ فہمِ دین مبارک ہو۔

نوٹ: آپ کا بنایا ہوا پیارا سا فن پارہ ہو یا سوالات کے جوابات ہوں اس کے ساتھ اپنا نام، عمر، کلاس، ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیے گا، ورنہ وہ قابل اشاعت نہیں ہو گا۔ اور پھر اسے ماہنامہ فہمِ دین کے ایڈریس پر پوسٹ کر دیں، یا پھر وٹس ایپ کے ذریعے 0304-0125750 پر ہمیں سینڈ کر دیں۔

pg41
Parvez
Omar
08

حج کا سفر

پڑی تم پہ رب کی نظر حاجیو!
ملی تم کو حج کی خبر حاجیو!
کرو تم خدا کا شکر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

خدا کا ہے تم پہ یہ لطف و کرم
حقیقت میں دیکھو گے اب تم حرم
زمیں پہ وہ اللہ کا گھر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

جو میقات پر پہنے احرام ہیں
لگے ایک سے، خاص اور عام ہیں
ہے رحمت کا سب پہ اَبر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

پڑھے جاؤ تلبیہ تم بار بار
گزارو گے ہر پل وہاں یاد گار
زباں پہ رہے یہ ذکر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

طوافِ حرم کرنا ایسے ادا
نہ بھٹکے تمہاری کہیں پہ نگاہ
دِلوں میں لیے رب کا ڈر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

صفا اور مروہ پہ تم دوڑنا
نہیں کوئی اس میں کسر چھوڑنا
کرو یہ عمل پُر اثر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

ملے گا تمہیں موقعِ استلام
ادا کرنا اس کو بصد احترام
لیے سانسیں زیر و زَبر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

وقوفِ عرفہ ہے حج کا اصل
جو یہ رہ گیا، پھر نہیں اس کا بدل
سنو! خطبہ مقبول تر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

جمع یہ جو لاکھوں مسلمان ہیں
حقیقت میں اللہ کے مہمان ہیں
ہوئے سارے شیر و شکر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

ہے مزدلفہ میں رات بھر کا قیام
پھر بعد از فجر سفر کا اہتمام
خدا دے گا اس کا اَجر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

کرو گے جو جمرات میں تم رمی
نہیں کرنا کوئی بھی اس میں کمی
ہو شیطان مغلوب تَر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

منیٰ میں نحر اور حلقِ راس ہے
کیا رب نے ہر مرحلہ پاس ہے
ہوئے اب ہو تم معتبر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

کرو شوق سے سارے ارکانِ حج
کہ پورا کیا رب نے ارمانِ حج
بنے تم ہو رشکِ قمر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

رہے گا نہ دامن پہ کوئی گناہ
کہ ہو جیسے اِک بچہ نوزائیدہ
مشقت کا ہے یہ ثمر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

ادا فرض کے ساتھ سنت ہوئی
خدا اور نبی ﷺ کی اطاعت ہوئی
قبول حج ہو المختصر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

دُعا کرنا تھوڑی جو فرصت ملے
کہ جوہرؔ کو حج کی سعادت ملے
ہو رب راضی روزِ حشر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو

ختمِ نبوت

محمد اسامہ سَرسَری

ہم ختمِ نبوت کی اک دھوم مچادیں گے
امت کو محمدؐ کی پہچان کرادیں گے

وہ راج دلارے ہیں، اللہ کے پیارے ہیں
ہو پیار جنہیں ان کا، وہ سب کو بُھلا دیں گے

وہ سب کے ہی پیارے ہیں، وہ سب سے نرالے ہیں
اعدائے محمدؐ کو ، جاجا کے بتا دیں گے

اللہ کا قرآں بھی، محبوبؐ کا فرماں بھی
آیات و حدیثیں ہم پڑھ پڑھ کے سنادیں گے

صورت بھی بتائیں گے، سیرت بھی سنائیں گے
ہم حبِّ محمدؐ سے ہر دل کو سجادیں گے

جب ذکرِ نبیؐ چھایا، اک وجد ہمیں آیا
رو رو کے رُلا دیں گے، ہنس ہنس کے ہنسا دیں گے

ہر شہر و بیاباں پر، ہر ساحلِ ویراں پر
ہم ختمِ نبوت کے جاں باز بٹھا دیں گے

ہم آخری امت ہیں، وہ آخری پیغمبرؐ
پیغام اسامہؔ کا ہر اک کو سنا دیں گے

حمدِ باری تعالیٰ

خدایا تیری زمیں، آسماں بھی ترا ہے
کہ یہ جہاں بھی ترا، وہ جہاں بھی تیرا ہے
تجھ ہی سے ہوتی ہے تبدیل کیفیت دل کی
یقین بھی ترا ہے، دل میں گماں بھی تیرا ہے
یہ سوچ کر ہوں میں شامل نبی ﷺ کے حلقے میں
کہ رہبر بھی ترا، کارواں بھی تیرا ہے
پڑا رہے گا یہاں عمر بھر حبیبؔ تیرا
کہ یہ نظام ترا، آستاں بھی تیرا ہے
سید حبیب اللہ حبیبؔ

نوافل کی اہمیت

لوگ نفل کو ایک زائد چیز سمجھتے ہیں، خاص کر اہلِ علم اس غلطی میں زیادہ مبتلا ہیں، کیوں کہ طالب علموں کو شروع سے نفل کا حکم یہ بتایا جاتا ہے کہ "جس کے کرنے میں ثواب ہو اور نہ کرنے میں کچھ گناہ نہ ہو۔" وہ سمجھتے ہیں کہ جب یہ بات ہے تو یہ عمل نہ کرنے میں کیا بات ہے؟ یہاں تک بھی غنیمت تھا، مگر غضب یہ کہ اس کا ترجمہ دوسرے لفظوں میں یوں کر لیا کہ "نفل کوئی مہتم بالشان نہیں، چلیے چھٹی ہوئی۔" گویا شریعت میں نوافل کا بیان ہی فضول ہے۔

خوب سمجھ لیجیے کہ نفل بے کار اور فضول چیز نہیں ہے، بل کہ مہتم فرائض ہونے کی وجہ سے ایک مہتم بالشان چیز ہے، نیز خاص محبت کی ایک بڑی علامت ہے۔ میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ فرض کرو ایک ملازم ہے جس کو کھانا پکانے کے واسطے رکھا گیا ہے اور وہ ایسا اصولی ہے کہ کھانا پکا کر چل دیتا ہے اور ایک دوسرا ملازم ہے کہ اسی کام کے لیے وہ بھی رکھا گیا ہے، مگر اس کی حالت یہ ہے کہ جب کھانا پکا لیتا ہے تو آقا کو پنکھا جھلنے لگتا ہے اور بھی خدمت کر دیتا ہے۔ ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

ضرور فرق ہے اس دوسرے آدمی کی قدر آقا کے دل میں یقیناً زیادہ ہوگی، بل کہ اس کی ان زائد خدمتوں کی قدر بعض دفعہ اصل کام سے بھی زیادہ ہوتی ہے، کیوں کہ منصبی کام کا تو ضابطہ ہے کہ خانہ پُری ہے اور نوکر سے زبردستی اور ٹھوک بجا کر لیا جاتا ہے اور یہ زائد خدمات محبت اور خلوص کی دلیل ہے۔ محبت اور خلوص کا نتیجہ دوسرے کی طرف سے محبت اور خلوص ہی ہوتا ہے تو اس دوسرے شخص سے آقا کو خاص محبت ہوگی اور بہ لفظِ دیگر یہ دوسرا نوکر محبوب ہوگا اور پہلا آدمی نوکر اور مزدور ہوگا۔ یہ حقیقت ہے نفل کی۔ پس اسی طرح جو شخص احکامِ شرعی میں سے صرف فرائض کو ادا کرے۔ پانچ وقت کے فرائض ہی پڑھے اور زکوٰۃ بقدرِ واجب ہی دے دیا کرے، کوئی نفل اور خیر خیرات نہ کرے تو وہ ضابطے کا نوکر ہے، اس سے ٹھوک بجا کر کام لیا جائے اور ذرا سا بھی قصور ہوگا تو گرفت سے چھوڑا نہ جائے گا اور کسی طرح یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کو حق تعالیٰ سے محبت ہے۔

صاحبو! محبت کی علامت سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ آدمی نفلی طاعات کی کثرت کرے، پس نفل بھی ایک ضروری چیز ہوئی۔ اب تو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ نوافل کس درجے کی چیز ہے۔

(حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، تحفۃ العلماء، ص: 144)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

شب و روز اب تو یہی ہیں دعائیں
خدا دن وہ لائے مدینہ کو جائیں
نظر آئیں جس دم حرم کی فضائیں
بہر گام اپنی نگاہیں بچھائیں
عرب کے بیاباں باں کا ہر ذرّہ چومیں
غبارِ حرم کو گلے سے لگائیں
وہ دنیا کی جنت، وہ جنت کی دنیا
معنبر ہوئیں، معطّر فضائیں
جہاں پر ہیں انسان جیسے فرشتے
مہکتی ہیں ہر سُو عبائیں قبائیں
کبھی مسجدِ فتح و نصرت کو دیکھیں
کبھی جا کے لے لیں اُحد کی بلائیں
کبھی دور سے سبز گنبد کو دیکھیں
کبھی پاس آ کر نگاہیں جھکائیں
کریں جالیوں پر ان آنکھوں کو صدقے
مواجہ میں اشکوں کے موتی لٹائیں
ادھر سے امڈتے ہوں اشکِ ندامت
اُدھر رحمتوں کی برستی گھٹائیں
تصور جب اپنی خطاؤں کا آئے
بھلا دیں سب ان کی مسلسل عطائیں
فضاؤں میں نغمہ ہو صلِّ علیٰ کا
سلامٌ علیکم کی لب پر صدائیں
دعا ہے یہ کیفیؔ کہ اس سال ہم بھی
مدینہ کے دیوار و در دیکھ آئیں
محمد زکی کیفیؔ

پرانے لوگ

اللہ! اللہ! یہ لوگ کس تہذیب کی یادگار ہیں۔ دولت انہیں مائلِ تکبر نہیں کرسکتی۔ ازدیادِ جاہ و حشم کے ساتھ ساتھ ان کی گردنوں کا خم اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔ چھوٹوں پر اتنی شفقت کہ ادب کا دھوکا ہونے لگے۔ بڑوں کی اتنی عزت کہ پرستش کا گمان ہو۔ گفتار میں ایسی شیرینی کہ سننے والے کے کان حلاوت کی کان بن جائیں۔ رفتار میں ایسی نرمی کہ زمین پر پاؤں رکھیں تو پاؤں کا نقش نہ جمے۔ آنکھوں میں آنسو، آواز میں رقّت، کمر میں خم، مگر بات کے پکے، ارادے کے دھنی، قول و قرار میں چٹان سے زیادہ استوار۔ بھنگی کو 'مہتر'، حجّام کو 'خلیفہ' سقّے کو 'بہشتی' اور نوکر کو 'بھائی' کہہ کر پکارنا۔ گھر کی نوکرانیوں کو 'ماما' اور 'بُوا' کے نام سے یاد کرنا، پرانی تہذیب کے ان پرستاروں کی شرافت تھی۔ آہ! آج یہ چیزیں شریفوں کے گھروں میں بھی کم یاب ہیں۔ (روایاتِ علی گڑھ، محمد ذاکر علی)

آپ کے اشعار

اک زندگی عمل کے لیے بھی ہو نصیب
یہ زندگی تو نیک ارادوں میں کٹ گئی
شاعر: جلیل قدوائی

جستجو زندگی کا حاصل ہے
اٹھ گیا جو قدم، وہ منزل ہے
شاعر: مجنون گورکھ پوری

گلوں سے اتنی بھی وابستگی نہیں اچھی
رہے خیال کہ عہدِ خزاں بھی آتا ہے
شاعر: حبیب احمد صدیقی

ہر بات میں ہم دیتے ہیں غیروں کا حوالہ
اپنا کوئی آہنگ، کوئی رنگ نہیں کیا؟
شاعر: باقی صدیقی

ہم کو شاہوں سے عدالت کی توقع تو نہیں
آپ کہتے ہیں تو زنجیر ہلا دیتے ہیں
شاعر: عبدالمجید عدم

ہم پستی کا شکار کیوں ہیں؟

یہ بھی بڑی عبرت کی بات ہے کہ پہلے مغربی دُنیا میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی شخص ایک مہینے تک مال واپس لے آتا تو مال واپس لے لیا جاتا تھا، بشرطیکہ خراب نہ ہوا ہو۔ جب ہمارے بھائی صاحبان مغربی دُنیا میں پہنچے تو انھوں نے اس سہولت کا غلط فائدہ اٹھایا۔ مجھ سے ایک شخص نے یہ واقعہ خود بیان کیاکہ ایک صاحب کے کچھ اہم ڈاکومنٹ ٹائپ کرنے تھے تو انھوں نے وہ ٹائپ کرنے کے لیے کسی دُکان دار سے ٹائپ رائٹر خریدا اور اس سے اپنے ڈاکومنٹ ٹائپ کیے۔ اس میں یہ پتا نہیں کتنے دِن لگے، مگر اُس نے اپنا مقصد حاصل کرلیاتو جا کر دُکان دار کو واپس کر دیا کہ بھائی مجھے یہ نہیں خریدنا، مجھ سے واپس لے لو۔ جب یہ واقعات کثرت سے ہونے لگے تو انھوں نے سوچا کہ یہ اس سہولت کا غلط استعمال کرنے لگے ہیں تو ایک مہینے کا وقت کم کر کے پندرہ دِن کر دیا، پھر دس دن اور پھر پانچ دِن کر دیا اور اب ماشاء اللہ ہمارے لوگوں کی کثرت ہے۔ اب وہ واپس لینے کا سلسلہ بھی کم ہوگیا ہے۔

اسی طرح مغرب میں رہنے والا ہر ایک جانتا ہے کہ اگر کسی نے ٹیلی فون ملایا اور اس میں غلط نمبر مل گیا تو اگر وہ شخص ٹیلی فون کمپنی کو ٹیلی فون کر کے کہہ دے کہ بھائی غلطی ہوگئی، مجھ سے غلط نمبر مل گیا، جو میں ملانا چاہتا تھا، وہ نمبر نہیں ملا، اتنا کہنے سے وہ ٹیلی فون کمپنی مان لیتی تھی اور اس کے بِل سے چارجز ختم کر دیے جاتے تھے۔ بعد میں ہمارے لوگ وہاں پہنچے تو انھوں نے جو ٹیلی فون کالیں کرنا شروع کیں اور غیر ملکی کالیں تھیں، اُن کے بارے میں کمپنی کو ٹیلی فون کر کے کہہ دیا کہ یہ رانگ نمبر مل گیا ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ جو سہولت میسر تھی، وہ بھی رفتہ رفتہ ختم ہوگئی۔

غرض جو باتیں نبی کریم ﷺ نے ہمیں بتائی تھیں، اُن کو انھوں نے اپنی زندگی میں اپنا لیا۔ اسی لیے انھوں نے یہ ترقی کی ہے۔ ان کی یہ ترقی اپنے رقص و سرود، ننگے ناچوں اور باطل نظریات کی وجہ سے نہیں، بل کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں اپنا لیا۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اِن کو دُنیا میں عروج عطا فرمایا۔ دو تین مثالیں میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔ میں چوں کہ الحمد للہ! وہاں جاتا رہتا ہوں اور حالات کو دیکھتا ہوں، اس قسم کی سینکڑوں میں مثالیں میرے سامنے موجود ہیں۔

دوسری طرف حق ہے، جو مغلوب ہونے کے لیے نہیں آیا، لیکن باطل کی آمیزش اس کے ساتھ ہو جاتی ہے تو اس باطل کی نحوست کی وجہ سے حق مغلوبیت کا شکار ہو جاتا ہے، لہٰذا ہم یہاں جو مغلوب ہو رہے ہیں، وہ دینِ برحق پر ہونے کی وجہ سے نہیں، اپنے عقیدے اور اپنی نمازوں کی وجہ سے نہیں، بل کہ اُن باطل طریقوں کی وجہ سے جو ہم نے آج اپنی زندگی میں اپنا رکھے ہیں۔ (شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، خطباتِ دورۂ ہند، ص: 141)

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی دینی تعلیمی
اور رفاہی خدمات کی جائزہ رپورٹ

اخبار السلام

جولائی 2017ء بمطابق شوال المکرم 1438ھ

27 ویں شب: مدرسہ بیت السلام کے 50 حفاظ کو شیلڈ دی گئی

ان خوش نصیب طلبہ نے اس سال مدرسہ جامع مسجد بیت السلام سے حفظ قرآن کی تکمیل کی

کراچی (نمائندہ خصوصی) ہمیشہ کی اس سال بھی تراویح میں ختم قرآن کے بعد مدرسہ جامع مسجد بیت السلام کے ان طلبہ کو شیلڈ دی گئی، جنہوں نے اس سال حفظ قرآن مکمل کیا، ان طلبہ کی تعداد پچاس رہی۔ ناظم مدرسہ مولانا عثمان طلبہ کے نام پکارتے رہے اور طلبہ امام مسجد مولانا عبدالستار حفظہ اللہ سے اپنی شیلڈ حاصل کرتے رہے۔

بیت السلام فوڈ بنک نے رمضان میں 75 ہزار سے زیادہ مستحقین تک کھانا پہنچایا

یومیہ 200 افراد کی خدمت سے شروع ہونے والا سلسلہ تین ہزار افراد تک پہنچا

کراچی (پ ر) رمضان سے کچھ دن قبل قائم ہونے والے ذیلی شعبے بیت السلام فوڈ بنک کو رمضان میں خوب مقبولیت ملی اہل خیر نے پورا مہینہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، یکم رمضان کو غریب بستی میں 200 مستحق افراد تک کھانا پہنچایا گیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تعداد یومیہ تین ہزار تک پہنچ گئی، جناح وسول اسپتال میں مریضوں اور ان کے تیمارداروں تک بھی کھانا پہنچانے کا سلسلہ جاری رہا، بیت السلام کے رضاکاروں اور حفاظ ری یونین کے کارکنوں نے خدمت کے اس عمل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اہل خیر کی ایک بڑی تعداد اور بیت السلام ٹرسٹ کی مرکزی انتظامیہ نے بھی رئیس جامعہ بیت السلام کی معیت میں اس عمل میں حصہ لیا۔

بیت السلام کے تعلیمی اداروں سے اس سال 959 طلبہ نے حفظ مکمل کیا، وفاق المدارس سے 104 نے امتحان دیا، تمام درجہ ممتاز میں کامیاب

قرآنی مکاتب: 820، جامعہ بیت السلام کراچی: 65، تلہ گنگ: 39 اور مدرسہ بیت السلام سے 35 طلبہ نے حفظ کیا

کراچی (پ ر) بیت السلام کے زیر اہتمام چلنے والے تعلیمی اداروں سے گزشتہ تعلیمی سال کے دوران میں 959 طلبہ نے قرآن کریم حفظ مکمل کیا، قرآنی مراکز سے 820 طلبہ نے تکمیل حفظ کی، جامعہ بیت السلام کراچی سے 65 طلبہ نے، جامعہ بیت السلام تلہ گنگ سے 39 طلبہ نے جب کہ مدرسہ بیت السلام سے پچاس طلبہ نے حفظ مکمل کیا، دریں اثنا وفاق المدارس سے 104 طلبہ نے حفظ کا امتحان دیا اور تمام نے درجہ ممتاز میں کامیابی حاصل کی۔

وفاق المدارس کے امتحانی نتائج میں بیت السلام کو ملکی اور صوبائی 6 پوزیشنیں حاصل ہوئیں

عائشہ الطاف نے ملکی سطح پر پہلی اور محمد نواز نے دوسری، ولی الرحمن اور محمد نوید نے سندھ جب کہ محمد حنظلہ نے پنجاب میں تیسری پوزیشن حاصل کی

کراچی (پ ر) اللہ تعالی کا بے انتہا شکر واحسان ہے، اس سال بھی جامعہ بیت السلام نے وفاق المدارس کے امتحانات میں پوزیشنیں حاصل کیں ملکی سطح پر دو جب کہ صوبائی سطح پر 4 پوزیشنوں پر جامعہ بیت السلام کے طلبہ کامیاب ہوئے عائشہ الطاف نے 581 نمبر لے کر ملکی سطح پر پہلی اور محمد نواز نے 598 نمبر لے کر ملکی سطح پر دوسری (پنجاب کی سطح پر پہلی) پوزیشن حاصل کی۔ ولی الرحمٰن اور محمد نوید نے سندھ کی سطح پر جب کہ محمد حنظلہ نے پنجاب کی سطح پر تیسری پوزیشن حاصل کی۔

بیت السلام نے ایجوکیشنل بورڈ قائم کردیا

کراچی (پ ر) بیت السلام نے اپنے تعلیمی وژن اور سوچ کے تحت ایک نیا قدم اٹھاتے ہوئے بیت السلام ایجوکیشنل بورڈ کے قیام کا اعلان کر دیا ہے، یہ بورڈ عصری تعلیمی اداروں کی ترقی اور تعلیمی نظام میں استحکام کے لیے کام کرے گا، بورڈ کے تحت انتظامی اور تدریسی تربیت بھی دی جائے گی، تاکہ تعلیمی ادارے اپنا معیار اور نظام تعلیم بہتر بنا سکیں۔

pg47

J.

pg48
Brighto